ہائیکو انٹرنیشنل کتابی سلسلہ

Haiku International

اپریل، مئی، جون ۲۰۰۱ء

رئیس علوی نمبر

مدیر

سہیل احمد صدیقی

چھٹی کتاب

قانونی مشیر: محمد اقبال غضنفر ایڈووکیٹ
مارکیٹنگ منیجر: کامران احمد صدیقی

قیمت فی کتاب........... ۷۰ روپے

زرِ سالانہ (رجسٹرڈ ڈاک)

☆ پاکستان	.... ۲۲۵ روپے
☆ برطانیہ و دیگر یورپی ممالک	.... ۱۲ پونڈ
☆ سعودی عرب	.... ۲۰ ریال
☆ متحدہ عرب امارات	.... ۲۰ درہم
☆ امریکا و دیگر ممالک	.... ۱۲ ڈالر

ناشر ...... کینو پس پبلی کیشنز..... کراچی،
خط و کتابت ...... پوسٹ بکس نمبر ۱۷۹۹۹۔ ہیڈ پوسٹ آفس گلشن اقبال کراچی۔ ۷۵۳۰۰ (پاکستان)
ترسیل زر ...... آر۔۳۹۳، سٹی ولاز، اسکیم ۳۳، یونیورسٹی روڈ، کراچی۔ ۷۵۲۷۰ (پاکستان)
طابع ...... احمد برادرز پرنٹرز، ناظم آباد۔ کراچی

حمدیہ ہائیکو

سید مشہود حسن رضوی

اللہ کی کیا شان
چاند ستارے اس کے ہیں
ہم اس پر قربان

اصغر مہدی

کل بھی وہ جو تھا
آج بھی ہے اور کل بھی ہوگا
وہی رب میرا

یعقوب تصور

مہر و مہ، انجم
اس کی ہی مدحت میں بس
ہر لمحہ ہیں گم

بقا صدیقی

اتنا سمجھا ہے
تم کو کیا کیا گنواؤں
سب کچھ رب کا ہے

یعقوب تصور

جاں ہے ننھی سی
رب کی باتیں کرتی ہے
ہر گل سے تتلی

طاہر سلطانی

اے میرے ستار
میرا بھی اب کردے تو
آئینہ کردار

نعتیہ ہائیکو

امداد نظامی

اس کا ہے احسان
جینے کا اسلوب دیا
جاگ اٹھا انسان

عثمان قیصر

آپ ﷺ کی یہ توقیر
سات فلک سے لوٹ بھی آئے
ہلتی رہی زنجیر

بقا صدیقی

شان داور ہیں
قطرے جیسی دنیا میں
وہ تو ساگر ہیں

یعقوب تصور

محشر میں سارے
ان کی جانب دیکھیں گے
عصیاں کے مارے

فہرست

صفحہ نمبر

۱۔	حمدیہ ہائیکو، نعتیہ ہائیکو	۲
۲۔	''صدا بہ صحرا'' (اداریہ)	۵
۳۔	پروفیسر محمد رئیس علوی ۔ مختصر تعارف	۸
۴۔	عکسِ تحریر۔ پروفیسر محمد رئیس علوی	۱۰
۵۔	کلام محمد رئیس علوی (انتخاب)	۱۱

جاپان کے مشاہیر کے مضامین

۱۔	ایک دیرینہ دوست کی آمد۔ پروفیسر سوزوکی تاکیشی	۱۲
۲۔	سچا جاپانی شناس۔ پروفیسر ہاگیتا ہیروشی	۱۴
۳۔	جاپانی کی روح سے واقف، رئیسِ شعر۔ شاشورے	۱۵
۴۔	پروفیسر رئیس علوی صاحب کا جادو۔ واتاسے جونکو	۱۷

پاکستان کے مشاہیر کا خراج تحسین

۱۔	رئیس علوی کے تراجم۔ پروفیسر احمد علی	۲۱
۲۔	صاحبِ نسب شاعر۔ پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	۲۵
۳۔	محبت کار ہائیکو نگار۔ اقبال حیدر	۲۶
۴۔	محمد رئیس علوی: الفاظ کی تہذیب کا شاعر۔ شہاب الدین شہاب	۳۰
۵۔	حُسنِ فطرت کا سچا عکاس۔ رخسانہ صبا	۳۶
۶۔	ہائیک اور خارجیت۔ وضاحت نسیم	۴۳
۷۔	کلاسیکی ہائیک کی خوشبو۔ روبینہ تحسین	۴۹

رئیس علوی کی کتب کا تجزیہ

۱۔	محمد رئیس علوی اور جاپانی شاعری۔ ڈاکٹر محمد امین	۵۲
۲۔	رئیس بھائی اور مینوشو۔ جمال نقوی	۵۷
۳۔	صدا ابھرتی ہے...... مہکتے گلابوں کی شاعری۔ مشہود حسن رضوی	۶۳
۴۔	رئیس علوی کا شعری آہنگ...... تجزیاتی مطالعہ۔ عشرت رومانی	۶۷

پروفیسر محمد رئیس علوی سے ایک ملاقات ..... انٹرویو: سہیل احمد صدیقی　۷۲

ذاتی تاثر پر مبنی احباب کے مضامین

۱۔　رئیس بھائی اور میں۔ شیخ سلیم احمد　۸۲

۲۔　لکھنو والے پاکستانی رئیس۔ جاوید دانش (کینیڈا)　۸۷

پروفیسر رئیس علوی کے ذاتی مضامین

۱۔　پاکستانی اور جاپانی ہائیکو میں بنیادی فرق　۹۴

۲۔　گل چینی　۹۸

طبع زاد ہائیکو ..... (متعدد شعرائے کرام)　۱۰۴

حصہ پنجابی

پنجابی ہائیکو: یاسین شیخ، بشیر فیض　۱۱۱

اسلام آباد میں ہائیکو مشاعرہ (رپورٹ: سلیم اختر)　۱۱۴

بیرون ملک مقیم پاکستانی ہائیکو نگار کی کتاب کی رونمائی (رپورٹ)　۱۱۶

بزم خیال (خطوط)　۱۱۸

حصہ سرائیکی

رئیس علوی کی ہائیکو کا سرائیکی ترجمہ۔ امداد نظامی　۱۲۴

حصہ سندھی

رئیس علوی کی ہائیکو کا سندھی ترجمہ۔ تاج بلوچ　۱۲۹

سندھی ہائیکو ۔ صابر شیدی　۱۳۰

حصہ بلوچی

رئیس علوی کی ہائیکو کا بلوچی ترجمہ ۔ اکمل شاکر　۱۳۱

حصہ میمنی

رئیس علوی کی ہائیکو کا میمنی ترجمہ۔ ادریس غازی　۱۳۲

صدابہ صحرا

(اداریہ)

☆ غزل ہر کوئی لکھ رہا ہے مگر ہر کوئی لکھ نہیں سکتا (یا کہہ نہیں سکتا)، اسی طرح ہائیکو میں ہر کوئی طبع آزمائی کر رہا ہے، مگر ہر کوئی اس صنف کو صحیح طور برت نہیں سکتا.... یہ وہ بات ہے جو گزشتہ دنوں اس مدیرِ پُرتقصیر نے متعدد بار اپنے حلقۂ احباب میں کہی۔ ہر چند کہ ہمارے شعرائے کرام ایسی باتوں سے اصولی اتفاق کرتے ہیں، مگر افسوس ان کا عمل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یوں تو بقول انجم اعظمی (مرحوم) شاعر سینیئر یا جونیئر نہیں ہوتا صرف شاعر ہوتا ہے، مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہمارے جو بزرگ چالیس پچاس سال سے شاعری کر رہے ہیں، وہ نہ صرف یہ کہ اپنے گزشتہ کلام پر نظرِ ثانی کی زحمت گوارا نہیں کرتے بلکہ تازہ کلام بھی کسی عرق ریزی کے بغیر بڑے سے بڑے اسٹیج پر آ کر سناتے ہیں اور داد کے طالب ہوتے ہیں۔ ہائیکو کے معاملے میں یہ قصہ یُوں بھی طولانی ہے کہ ہر دوسرا شاعر جاپانی ثقافتی مرکز کے زیرِ اہتمام سالانہ مشاعرے میں کلام سنانے کا نہ صرف مشتاق ہے بلکہ اس مقصد کے لئے ایڑی چوٹی کا زور بھی لگاتا ہے۔ مگر افسوس اتنا زور وہ اپنے کلام کی موزونی پر صرف نہیں کرتا۔ اس راقم کو اس وقت تاسف و استعجاب ہوتا ہے، جب عروض کے چیمپئن ۵۔۷۔۵ کی بجائے ۶۔۸۔۶ (یا اسی طرح کے زائد ارکان پر مبنی کوئی چیز پڑھ کر اسے ہائیکو قرار دیتے ہیں۔ یہ بجا کہ جاپان میں بھی صوتی ارکان کی کمی بیشی کے تجربات ہو چکے ہیں) نیز ''فعلن فعلن فع'' کی پابندی نہیں کر پاتے۔

گزشتہ دنوں منعقد ہونے والے سالانہ ہائیکو مشاعرے میں دیگر ''اضافوں'' کے

علاوہ ایسے (بزعمِ خویش) ''ملنگ صفت'' شاعر کو دیکھ کر صدمہ ہوا، جنہوں نے محض دو برس قبل دعوت نہ ملنے پر منتظمین کو مغلظات سناتے ہوئے یہ کہا تھا ''میں نے ان کے لئے تو ہائیکو نہیں لکھی تھیں''۔ ''ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے!''

☆☆ گزشتہ سال اگست میں جب یہ مدیر ''اقبال حیدر نمبر'' کی تیاریوں میں مصروف تھا، اسے ورلڈ ہائیکو کلب (برطانیہ) کی جانب سے ورلڈ ہائیکو فیسٹیول میں اردو اور پاکستان کی نمائندگی کرنے کی دعوت ملی، یہ پہلا موقع تھا جب اردو کو اس عالمی میلے میں شمولیت کے لائق سمجھا گیا۔ راقم سطور کا نام امریکا کے نامور ہائیکو نگار، مصنف اور نقاد بل ہگنسن (Bill Higginson) نے تجویز کیا تھا۔ رجسٹریشن فیس غیر ملکی کرنسی میں ادا کرنے کے باوجود، میں صرف بے تکی قطاروں میں تین دن دھکے کھانے کے بعد گھر آ گیا۔ برطانوی ڈپٹی ہائی کمیشن کی مقامی انتظامیہ کا حسن انتظام کسی بھی شخص کو بہ آسانی (دو چار مرتبہ کی کوشش سے) اندر جانے کا موقع نہیں دیتا۔ بہر حال بفضل خدا میرے کام کی قدر افزائی کسی مقامی لابی، ادبی وڈیرے یا حلقے کی سرپرستی کے بغیر ہی، اس انداز میں ہوئی کہ بہت سے بزرگ سن کر حیران ہوئے۔

☆☆☆ گزشتہ دنوں ہمارا ''اقبال حیدر نمبر'' شائع ہوا، اس دھوم دھام سے کہ کراچی کے پنج ستارہ ہوٹل میں تقریب رونمائی ہوئی، رسالے کے نسخوں کی ایک بڑی تعداد (برائے فروخت) طلب کی گئی تو دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا جس کی تقریب رونمائی کوئٹہ کے اہل دل نے اکادمی ادبیات کے مقامی دفتر میں منعقد کی، اقبال حیدر کہ وہاں پاک۔ جاپان فرینڈ شپ سوسائٹی کے زیر اہتمام (بہ اشتراک قونصل خانۂ جاپان و پاکستان ہائیکو سوسائٹی) مشاعرے کے ناظم تھے اور راقم حروف (کہ وہاں بطور مہمان شاعر مدعو تھا) نے بھی اس تقریب میں شرکت کی۔ اس تاریخی نمبر کی اشاعت کے فوراً بعد مجھے اس صدمے

سے دو چار ہونا پڑا کہ ایک رسالے نے ابتدائی شمارے میں ہائیکو انٹرنیشنل کا بہت سا (مطبوعہ وغیر مطبوعہ) مواد استعمال کر کے مد مقابل آنے کی کوشش کی تو دوسرے رسالے (عزم نو انٹرنیشنل) میں ''اقبال حیدر نمبر'' کے متعدد صفحات کی عکسی نقل بغیر اجازت، وحوالہ شامل اشاعت کر دی گئی۔ اہل ذوق کو چاہئے کہ دوسروں کی محنت پر ہیرو بننے کی کوشش کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کریں۔

☆☆☆☆ ''اقبال حیدر نمبر'' کے دوسرے ایڈیشن کی تیاری زوروں پر تھی کہ میرے بزرگ دوست، رسالے کے منتظم اشاعت اور بساطِ ادب کے روح رواں محترم جاوید وارثی بقر عید کی شب (بہ عارضہ قلب) انتقال کر گئے.... میرے لئے ہر لحاظ سے بہت بڑا صدمہ ہے، خدا ان پر رحمتوں کی بارش کرے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے۔ اس سوگواری کے عالم میں بھی مرحوم کے لائق اور نوجوان فرزند عاطف جاوید نے جاں فشانی سے کام کرتے ہوئے طبعِ ثانی کو کم وقت میں ممکن کر دکھایا۔ آفرین!

☆☆☆☆☆ موجودہ شمارہ ہائیکو اور تنکا کے نامور شاعر و نقاد پروفیسر محمد رئیس علوی سے متعلق خصوصی گوشے پر مشتمل ہے۔ امید ہے آپ کو یہ کاوش پسند آئے گی۔

زیر نظر شمارے سمیت تمام شماروں پر کھل کر تنقید کیجئے۔ اس مرتبہ قصداً کچھ پہلو (برائے تنقید) چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ محض تعریفی خطوط سے رسالے کا معیار ہرگز بلند نہیں ہو گا۔ نیز ہائیکو میں، خواہ حمد و نعت ہی کیوں نہ ہو، فطرت نگاری کا تلازم زیادہ سے زیادہ کیجئے محض قافیہ پیمائی سے گریز بھی لازم ہے۔

آپ کا مخلص

(سہیل احمد صدیقی)

پروفیسر محمد رئیس علوی.... مختصر تعارف

۱۹۴۶ء میں لکھنؤ کے ایک زمیندار گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ان کے والد مولانا یونس علوی شہر کے ممتاز دینی عالم، اردو، عربی اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ یہی نہیں بلکہ روزنامہ ''پیام انسانیت'' اور ماہانہ ''عرفان'' کے مدیر تھے۔ رئیس صاحب کے دادھیال کے علاوہ نانیہال میں بھی مذہبی ماحول تھا کہ ان کے نانا سید وارث حسن شاہ عابد و زاہد صوفی بزرگ تھے۔

رئیس علوی نے انٹر تک آبائی وطن میں تعلیم حاصل کی، پھر پاکستان آمد کے بعد ۱۹۶۴ء میں بی اے اور ۱۹۶۵ء میں جامعہ کراچی سے ایم اے (اردو) کی سند حاصل کی۔ انہوں نے عملی زندگی کی ابتداء تدریس سے کی، سراج الدولہ کالج میں شعبہ اردو کے سربراہ رہے، پھر اردو، انگریزی کے ساتھ ساتھ جاپانی میں مہارت کی بناء پر ان کا تقرر ٹوکیو کی جامعہ برائے زبان ہائے خارجی میں ''مہمان استاذ'' (Visiting Professor) کی حیثیت سے ہوگیا۔ وہ ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۹ء تک جاپان میں مقیم رہے۔ اس اثناء میں انہوں نے جاپانی ادب کو اہل اردو سے متعارف کروانے کے لئے قابل قدر کام کیا۔

پروفیسر رئیس علوی کی کتب ''گل صد برگ'' (تین جلدیں) اور ''چاند کے چار رنگ'' جاپانی شاعری کے عمدہ تراجم کے انتخاب پر مبنی ہیں، جب کہ ان کا مجموعہ غزلیات ''صدا ابھرتی ہے'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ اردو ادب کی پہلی کتاب ہے جس کی تقریب رونمائی (کراچی کے علاوہ) ٹوکیو میں بھی منعقد ہوئی۔ متعدد مبسوط نگارشات کے خالق پروفیسر رئیس علوی ان دنوں صوبائی محکمہ تعلیم میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔

رئیس علوی کی بیگم بلقیس (مرحومہ) اپوا کالج کراچی میں اُردو کی پروفیسر تھیں۔ ۱۲ اپریل 1999ء کو کراچی میں اُن کی وفات ہوئی۔ رئیس علوی کے بڑے بھائی انیس علوی تجارت سے وابستہ ہیں۔ چھوٹے بھائی مونس علوی مقامی کالج کے پرنسپل ہیں اور سب سے چھوٹے بھائی انس علوی کا دبئی میں اپنا کاروبار ہے۔ بیٹا ڈاکٹر صفی رئیس علوی، ضیاء الدین یونیورسٹی (کراچی) میں تدریس سے منسلک ہے، جبکہ بیٹی فرح رئیس علوی نے جامعہ کراچی سے انگریزی میں آنرز کیا اور شادی کے بعد اپنے شوہر عدنان مرزا کے ساتھ امریکا میں رہائش پزیر ہے۔

☆ رئیس نے اُردو زبان و ادب اور اس کی تاریخ و تنقید کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کیا ہے اور اس سلسلے میں ان کی معلومات اردو کے جدید اور قدیم ادوار پر یکساں طور پر قابلِ تعریف ہے۔ ان کا تنقیدی نقطۂ نظر متوازن ہے اور اندازِ تحریر دلکش۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (مرحوم)

☆ رئیس بھائی کی ہائیکو جاپانی ہائیکو سے ان کی ذہنی قربت کا اشارہ ہیں۔ وہ کم سخن ہیں مگر معنی آفرینی کے ساتھ۔ یہی ہائیکو کی خصوصیت ہے اور یہی رئیس علوی کا مزاج۔ انھوں نے جاپان کو بہت گہرائی اور محبت سے دیکھا۔ انھوں نے اپنی ہائیکو میں جاپانی مشاہدے اور اس کی معنویت کو جذب کیا ہے۔ وہ ہمارے بہترین ہائیکو لکھنے والوں میں سے ہیں۔

یوسف حسین (دہلی)

عکس تحریر

آج کی یہ محفل
یاد رہے گی ساری عمر
جاڑا، گرمی، دل

کولیو ختم ہے اب
آئی گھڑی ملنے کی
یاد کر چلنے کی

پھر ملیں گے ہم
لگی بہار تو آئے گی
مت کیجئے کچھ غم

آنکھوں میں آنسو
دس برسوں کے بعد اچانک
تم کو دیکھا تو

ایک زمانے بعد
دیکھا آج خزاں میں پھر
آپ رہیں آباد

ہوا کے ہاتھ شبنم سے ہمارا نام لکھتے ہیں!

ありがとう。
ライース アラヴィー
I am grateful.
Rais Alvi

جامعہ ٹوکیو برائے زبانہائے خارجہ
کے سابق طلبا کے ساتھ ملاقات کی تقریب میں
پڑھی گئی۔ (نومبر ۹۹ء ٹوکیو کے ایک
ریسٹورنٹ میں) محمد رئیس علوی

کلام محمد رئیس علوی (انتخاب)

پتے پتے میں / ٹکڑے گردیں لمحوں کے / رستے رستے میں
شور ہوا کا ہے / موج سمندر کی اونچی / کھیل فنا کا ہے
باغ میں مست پرند / بے خبری میں دیکھا نہیں / پھر صیاد چلا
بارش کا موسم / دور ہے اک مدت سے وہ / آنکھیں اکثر نم
شبنم پتوں پر / صبح جدائی کا منظر / آنسو پلکوں پر
نظریں، در، دیدار / موسم ایک بہار، خزاں / چلمن پیچھے یار
آنکھیں، لب، رخسار / پتی، پھول، گلاب / کشتی موج بہار
کوزہ گر کے ہاتھ / صورت بدلے مشتِ خاک / گردش میں ہے چاک
اس کے چہرے پر / ایک ندامت کا پرتو تھا / بارش صحرا میں
شاخ ہوا لہرائے / اک تتلی کو سمجھائے / خوشبو ہاتھ نہ آئے
پانی کو زنجیر / کس نے لمحوں کو پکڑا / بچپن کی تصویر
برف پگھلتا ہے / آنکھیں اس کو ڈھونڈے ہیں / دریا بہتا ہے
آسمان پر تارے / جھیل کے اوپر تاریکی / جھاڑی میں جگنو
سورج ڈھلتا ہے / ایک ہوا کے جھونکے سے / پھول بکھرتا ہے
جسم کے تلاطم سب / اس کے پیراہن میں تھے / موج میں سمندر تھا
بادل میں بجلی / دیکھ نہ پایا کوئی بھی / جب تک نہ چمکی
کیا زیست ہماری ہے / جسم کا بوجھ اٹھاتے ہیں / گٹھری بھاری ہے
شور فغاں کا ہے / اس کو دیکھ کے بادل سے / منھ کو ڈھکتا ہے
رات کی تنہائی / سرد ہوا نے بے دیکھے / گھر کی شمع بجھائی
پھر بہار کی خاطر / اپنے پیراہن کھوئے / باغ کے درختوں نے

ایک دیرینہ دوست کی آمد

پروفیسر سوزوکی تاکیشی (جاپان)

موسم خزاں کے ایک خوشگوار دن ٹوکیو کے ایک ریستوران میں پروفیسر محمد رئیس علوی شاگردوں سے گھرے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ ''دوست دور سے آیا ہے، خوشی لے کر آیا ہے'' میں نے انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے قدیم شعر کے یہ دو مصرعے پیش کئے۔ واقعی سب کے دل اپنے معزز استاد صاحب سے دوبارہ شرف دیدار حاصل ہونے کی خوشی میں باغ باغ تھے۔

یہ ۱۹۹۹ء کے نومبر کا واقعہ تھا اور پروفیسر صاحب کے لئے دوسرا دورہ جاپان تھا۔ اس دفعہ ان کے دورے کا ایک اہم مقصد بابائے ہائیکو باشو کے معروف سفری روزنامے ''اوکونو ہوسومیچی'' کے راستے پر چل کر ان مقاموں کو اپنی آنکھوں سے خود دیکھنا تھا جن کا ذکر باشو نے اپنے روزنامے میں جگہ جگہ کر رکھا ہے۔

۱۹۸۵ء میں پروفیسر محمد رئیس علوی جامعہ ٹوکیو برائے مطالعات خارجی کے شعبۂ اردو میں مہمان پروفیسر کی حیثیت سے پہلی بار جاپان تشریف لائے۔ جاپان میں چار سالہ قیام کے دوران میں انہوں نے اپنی درس و تدریس کا سلسلہ بخوبی جاری رکھنے کے علاوہ جاپان کی تقریباً تمام چیزوں میں گہری دلچسپی لی۔ خاص طور پر قدیم جاپانی ادب سے ان کی دلچسپی بڑھتی گئی اور اس کے مطالعے میں محو ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے دو کارنامے، ایک بارہویں صدی کے شہرت یافتہ شاعر سئی گیو کے مشہور دیوان ''سن کشو'' کو ''چاند کے چار رنگ'' کے عنوان سے اور دوسرے آٹھویں صدی میں مرتبہ جاپان کے قدیم ترین کلیات ''منیوشو'' میں سے تین سو تین (۳۰۳) تنکاؤں کے انتخابات کو ''گل صد برگ'' کے عنوان

سے اہل اردو کے سامنے پیش کیے۔ ان دونوں کارناموں کو نہ صرف جاپان میں بلکہ پاک و ہند کے حلقۂ ادب میں بے حد سراہا گیا ہے۔ باشو کی ایک معروف ہائیکو ہے:

اس راہ میں
کوئی نہیں چلنے والا
خزاں کی شام

ممکن ہے کہ یہ راہ باشو کے لئے ہائیکو کا راستہ تھی۔ تنہا اور سنسان راستہ۔ اب یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے پاکستان میں بھی اس راستے پر چلنے والے نظر آنے لگتے ہیں اور اس پر روز افزوں رونق بھی آ رہی ہے۔ بے شک پروفیسر رئیس علوی راہ گیروں سے بہت آگے چل رہے ہیں۔

مجھے توقع ہے اور یقین بھی ہے کہ پروفیسر محمد رئیس علوی بہت جلد ''اوکونو ہوسو میچی'' کا مستند اردو ترجمہ مکمل کرلیں گے اور یوں اہل اردو سے جاپان کے کلاسیکی ادب کے شہکاروں کو متعارف کرانے کا کام سرگرمی سے انجام دیتے رہیں گے۔

☆ پروفیسر سوزوکی کو حکومتِ پاکستان کی جانب سے ستارۂ امتیاز سے نوازا گیا ہے

ڈاکٹر شمس تبریز خاں کی رفتار پیا کتاب
مناظر عاشق ہرگانوی: ناقد اور محقق
مشاہیر ادب کے چوالیس مقالے اور بائیس نقد پارے۔ صفحات: تین سو، سائز: ڈیمائی
کمپیوٹر کمپوزنگ، آفسٹ طباعت۔ قیمت: ۲۵۰ روپے
ناشر: نرالی دنیا پبلی کیشنز۔ A-358 بازار دہلی گیٹ، دریا گنج۔ نئی دہلی نمبر ۲ ہندوستان

سندھ میں اُردو ادب کے فروغ میں کوشاں
ایک نیا کتابی سلسلہ پہچان
مرتبین: کرن سنگھ، ذوالفقار دانش، نوید سروش
پوسٹ بکس نمبر ۶۳۔ میر پور خاص
(پاکستان)

”سچا جاپان شناس“

پروفیسر ہاگیتا ہیروشی ☆

شعبہ اردو، جامعہ ٹوکیو برائے زبان ہائے خارجی (جاپان)

دو سال پہلے رئیس علوی صاحب کے جاپانی شاگردوں نے ان کو دوبارہ جاپان تشریف لانے کی دعوت دی تھی اور وہ تشریف لائے۔ جاپان میں قیام کے دوران میں انہوں نے سئی گیو (جاپان کے نامور تنکا گو شاعر ہیں اور جن کے تنکاؤں کا اردو میں ترجمہ رئیس صاحب نے کیا تھا) اور باشو کے تعاقب میں ایسے مقامات کا دورہ کیا تھا جہاں سئی گیو اور باشو دونوں گئے تھے۔ پاکستانی قارئین باشو کے نام سے خوب واقف ہوں گے۔ دراصل باشو نے سئی گیو کے تعاقب میں اپنا سفر کیا تھا۔ دورے سے واپس ٹوکیو آنے کے بعد ان کے جاپانی شاگردوں نے ایک محفل کا انتظام کیا تھا جس میں جامعہ ٹوکیو برائے بیرونی مطالعات کے شعبہ اردو کے سابق صدر سوزوکی تاکیشی صاحب نے بھی شرکت کی تھی۔ اس محفل میں رئیس صاحب نے جو ہائیکو پیش کئے وہ ان کے سفر کے دوران میں کہے گئے تھے۔ جاپانی شاگردان ہائیکو سن کر بے حد محظوظ ہوئے اور تہہ دل سے خراج تحسین پیش کیا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رئیس صاحب سچے جاپان شناس ہیں۔ کیونکہ جب تک ایک شخص کو جاپانی طرز احساس اور شعور سے پوری طرح واقفیت نہ ہو تب تک ان کا ہائیکو جاپانیوں کو کچھ عجیب سا لگے گا۔ رئیس صاحب کے ہائیکو سے جاپانی شاگردوں کے متاثر ہونے کا مطلب ہے کہ ان کی شاعرانہ صلاحیت کے ساتھ جاپان اور جاپانیوں کے بارے میں ان کی آگہی کتنی گہری ہے۔ میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ ان کے ہائیکو میں اپنے منفرد رنگ کے ساتھ ساتھ جاپانی ہائیکو کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستانی قارئین اس رنگ اور جھلک سے خوب لطف اندوز ہوں گے۔

”جاپانی کی روح سے واقف 'رئیسِ شعر'“

شاشورے (جاپان)☆

میں نے ۱۹۹۲ء میں کراچی میں رئیس صاحب کی رہائش گاہ میں چند ہفتے کے لئے قیام کیا۔ ہر رات وہ اردو غزل گو شاعروں کے بارے میں مجھے پڑھاتے تھے۔ جو کچھ انہوں نے پڑھایا تھا وہ ایک کتاب کی صورت میں جاپانی زبان میں شائع ہونے والا ہے۔ اب تک اس وقت کا منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ان کی صاحب زادی فرح صاحبہ اور صاحب زادے صفی صاحب ہمارے لئے کافی لاتے تھے۔ رئیس صاحب کے پاس بیٹھ کر بلقیس صاحبہ مسکراہٹ کے ساتھ رئیس صاحب کی باتیں سنتی تھیں۔ وہ وقت اور وہ فضا میرے ذہن میں ہمیشہ کے لئے تازہ تازہ رہتی ہے۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ غزل کا ترجمہ ناممکن ہے، جب ایک غزل دوسری زبان میں منتقل ہوتی ہے تو اس کی سنہری دھن غائب ہو جاتی ہے۔ یہ بات ان لوگوں کو خوب معلوم ہوگی جنہوں نے شعر و نظم کا ترجمہ کیا ہو۔ پھر بھی قدیم و جدید اور مشرق و مغرب کے شعر و نظم کا ترجمہ جاری رہا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مترجم شاعر کی روح کو دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے۔

میں سمجھتی ہوں کہ رئیس صاحب جاپانی شاعروں کی روح کو دوسروں تک پہنچانے کے کام میں سب سے موزوں شخص ہیں، کیونکہ وہ لمبے عرصے کے لئے جاپان میں قیام کر چکے ہیں اور ان کے جاپانی دوست بکثرت ہیں اور وہ جاپان کے چار موسموں سے خوب واقف ہیں۔ رئیس صاحب اردو ہائیکو میں اپنی روح پھونکتے رہتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ شاعروں کی روح کے سامنے دنیا میں کوئی سرحد موجود نہیں۔

*پروفیسر ہاگیتا ہیروشی جاپان کی معروف علمی و ادبی شخصیت ہیں۔ انہوں نے متعدد اردو ناولوں اور افسانوں کو جاپانی زبان میں منتقل کیا، نیز اردو کے شعری ادب پر ان کی گہری نظر ہے اور ان کے تراجم نے دونوں زبانوں کے درمیان پل کا کام کیا ہے۔ پروفیسر صاحب پروفیسر محمد رئیس علوی کے دیرینہ دوست اور رفیق کار ہیں۔

* محترمہ شاشورے جاپان کی معروف صحافی اور ادیبہ ہیں، انہوں نے کئی اردو کتب کا جاپانی زبان میں ترجمہ کیا۔ ان کی مشہور کتاب ''ہندوستانی دلہن'' (جاپانی) کا ترجمہ انگریزی اور فرنچ میں ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں تجزیہ بالتحقیق کیا گیا ہے۔ محترمہ شاشورے پروفیسر ہاگیتا ہیروشی کی اہلیہ اور پروفیسر رئیس علوی کی شاگرد ہیں ان کا قلمی نام ریکو اُم موتو ہے۔

''صدا ابھرتی ہے'' کی تقریب رونمائی (بمقام ٹوکیو) میں پروفیسر رئیس علوی اپنی شاگرد خاص شاشورے (ائے موتو) اور سفیر پاکستان جناب ثاقب صاحب کے ہمراہ

پروفیسر رئیس علوی صاحب کا جادو

واتا سے جونکو (جاپان)

اپریل ۱۹۸۵ء کی ایک صبح کی بات تھی۔ایک جوان اجنبی پاکستانی صاحب نے ٹوکیو یونیورسٹی آف فارن اسٹڈیز کے شعبۂ اردو کے ہمارے کلاس روم میں قدم رکھا اور مسکراتے ہوئے شریف انداز میں ہم طالب علموں کو سلام کیا،''آداب عرض، آداب عرض ....'' پھر وہ اپنا تعارف کرانے لگے۔اس دوران میں ان کی نرم نگاہیں صبح کی روشنی کی طرح ہمارے چہروں پر مسلسل پڑتی رہیں اور ان کی آواز گیتوں کی طرح ہمارے کانوں میں گونجتی رہی۔ان کا انداز بیان، ان کی مسکراہٹ اور ان کی آواز ہمیں بہت اچھی لگی اور ہم ان کو اس طرح گھورتے رہے جیسے مسحور ہو گئے ہوں۔میں بھی ان کے جادو سے نہیں بچ سکی اور ان کے بول پر توجہ دیتی رہی۔پروفیسر محمد رئیس علوی صاحب سے میری پہلی ملاقات اس طرح ہوئی تھی۔

وہ ہماری یونیورسٹی میں مہمان پروفیسر کی حیثیت سے آئے تھے،لیکن وہ ہم طالب علموں کے لئے صرف استاد نہ رہے۔ہم ان کو اپنے ''بڑے بھائی'' سمجھنے لگے اور ''رئیس صاحب'' پکارنے لگے،جس طرح ہمارے جاپانی اساتذہ ان کو پکارا کرتے تھے۔

اس وقت میں تیسری جماعت میں پڑھتی تھی۔''ا، ب، پ....'' سے شروع کر کے دو سال میں اردو قواعد پڑھ چکی تھی اور آسان کہانیاں بھی پڑھ لیتی تھی۔لیکن مجھے بولنا نہیں آتا تھا۔اس لئے کہ اس زمانے میں ٹوکیو میں زیادہ پاکستانی لوگ نہیں رہتے تھے اور اردو میں بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔میرا کوئی جاننے والا بھی نہ تھا،جس کے ساتھ اردو میں بات کرنا چاہوں،اس لئے مجھے اردو زبان سے اتنا لگاؤ بھی نہ تھا۔لیکن جب سے رئیس صاحب

ہمیں اردو پڑھانے لگے، میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ محنت سے اردو پڑھوں اور ان کے ساتھ اردو میں بات کروں، پھر صرف کلاس روم ہی میں نہیں، مزید پڑھنے کے لئے ان کے کمرے میں بھی جانے لگی۔ البتہ میں واحد طالبہ نہ تھی جو ان کے ساتھ بات کرنا چاہتی تھی۔ وہ طالب علموں میں اتنے مقبول تھے کہ سب کے سب ان کے ساتھ بات کرنا پسند کرتے تھے۔ ان کے کمرے میں ہمیشہ طالب علموں کے لئے چائے تیار تھی اور کوئی نہ کوئی طالب علم وہاں چائے پیتا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں کبھی اکیلے نہیں ملتے تھے۔

ہماری یونیورسٹی کے ہر شعبہ میں کم سے کم ایک نیٹو اسپیکر (Native Speaker) مہمان پروفیسر کی حیثیت سے پڑھاتے ہیں۔ بعض اوقات وہ طالب علموں کے لئے واحد نیٹو اسپیکر ہوتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے ملک کے ایک نمائندہ بن جاتے ہیں۔ اس استاد کا اتنا بڑا اثر ہوتا ہے کہ ان کی حرکتوں سے طالب علم ان کے ملک کو کبھی پسند کرتے ہیں اور کبھی نفرت بھی کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے رئیس صاحب پاکستان کے ایک زبردست نمائندہ رہے اور انہوں نے پاکستان کو بہت فائدہ پہنچایا۔

ان کے تشریف لانے سے پہلے سات یا آٹھ سالوں میں صرف ایک یا دو طالب علم، ایم۔اے میں داخلہ لیتے تھے۔ لیکن رئیس صاحب کی میعاد کے صرف چار سالوں میں کل چھ طالب علموں نے ایم اے میں داخلہ لیا اور ان میں سے چار طالب علم تو مزید پڑھنے کے لئے پاکستان کی یونیورسٹی بھی گئے تھے۔ میں بھی ان میں سے ایک تھی۔

مجھے بی۔اے میں دو سال اور ایم اے میں دو سال رئیس صاحب سے پڑھنے کا موقع ملا۔ اس دوران میں میرے دل میں یہ خواہش بڑھتی رہی کہ مزید اردو پڑھنے کے لئے اور پاکستان کی ثقافت اور رسم و رواج اچھی طرح سمجھنے کے لیے پاکستان جاؤں۔ میرا یہ خواب ۱۹۸۹ء کے جولائی میں پورا کر دیا گیا۔ مجھے اور میری ایک کلاس فیلو کو پاکستانی

حکومت کا وظیفہ دار منتخب کیا گیا اور یوں ہمیں کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں دو سال پڑھنے کا موقع مل گیا۔ اس سال کے اپریل میں رئیس صاحب اپنی میعاد پوری کر کے کراچی واپس جا چکے تھے اور انہوں نے جولائی تک کے کم وقت میں ہمارے لئے سارا انتظام کر دیا تا کہ ہمیں کراچی پہنچتے ہی یونیورسٹی کے ہوسٹل میں کمرا مل جائے اور ہم فوری طور پر اپنی پڑھائی میں مشغول ہو سکیں۔

انہوں نے ہمارے سرپرست بننے کی ذمہ داری بھی قبول کر لی۔ پھر ہر چھٹیوں میں وہ ہمیں اپنے گھر میں دعوت دیتے، ان کی مرحومہ بیگم ہمیشہ ہمارے لئے طرح طرح کے اچھے کھانے پکاتیں اور عید کے موقع پر تو ہمارے پسندیدہ رنگ کے خوبصورت شلوار قمیض سلوا کے دیتی تھیں۔ ان کے دو بچے بھی دل بہلانے کے لئے فلمیں منگواتے اور کبھی ہمیں باہر لے چلے تھے۔ رئیس صاحب نے پڑھائی کے سلسلے میں بھی ہماری مدد کی تھی۔ ہم امتحانات سے پہلے اکثر ان کے گھر میں ٹھہرتے اور ان سے مشورہ لیتے۔ ان کی لائبریری سے کتابیں لیتے اور ان کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس طرح دو سال کے دوران میں ہمیشہ رئیس صاحب اور ان کی فیملی کی مدد ملتی رہی اور اپنے خاندان اور دوستوں سے دور، غیر ملک میں رہتے ہوئے بھی ہم نے کبھی اکیلا پن محسوس نہیں کیا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو کراچی میں میرا اتنا اچھا وقت نہیں گزرا ہوتا۔ اپنا مقصد پورا کئے بغیر بیچ میں جاپان واپس آ گئی اور اب پاکستان کو اپنا دوسرا وطن سمجھتی ہوں۔

اپنی زندگی کے بہترین دو سال گزار کر جاپان میں واپس آئے تقریباً دس سال گزرنے کو ہیں۔ اب بھی رئیس صاحب کبھی خط میں اور کبھی فون پر خوبصورت یادیں تازہ کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے ہمت دیتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے جادو کا اثر ابھی تک مجھ پر قائم ہے اور یہ صرف میرے ساتھ نہیں ہوا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ میری طرح بہت سارے لوگوں کو ان کے بول سے تسلی ملتی ہوگی، ان کی مسکراہٹ سے ہمت ملتی ہوگی اور وہ ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے آرام محسوس کرتے ہوں گے۔ اور امید کرتی ہوں کہ ان کا یہ جادو ہمیشہ جاری رہے گا۔

Professor Rais Alvi, with his students, at Tokyo University of Foreign Languages

رئیس علوی کے تراجم

پروفیسر احمد علی

رئیس کی اپنی طبعزاد شاعری میں نرمی اور نزاکت خیال کے ساتھ ہی اپنی گم گشتہ تہذیب سے لگاؤ کا احساس بھی ایک بھولی بسری یاد کی طرح نظر آتا ہے جب زندگی میں سادگی اور دل میں درد تھا۔ اب چونکہ دور حاضر کے دھندلے آئینے میں یہ عکس ناپید اور ہمارے اپنے تہذیب وتمدن مہذب کے صنم خانوں اور سائنس کی خوردبینوں کی نذر ہو چکے ہیں، جاپان کی کلاسیکی شاعری نے پھر رئیس کے دل میں میرؔ و مومنؔ کی سادگی اور سوز گداز کی یاد اس طرح تازہ کر دی ہے کہ اس کی اجنبیت طبیعت کی ہم آہنگی میں یوں تبدیل ہوگئی کہ احساس غیریت تک باقی نہ رہا، جیسا کہ ان کے تراجم سے ظاہر ہے۔

یوں تو سارے مشرق کی شاعری میں اسی طرح مماثلت ہے جیسے مغرب کے سب ملکوں میں اس لئے ملتی ہے کہ وہ سب ہی یونان وروما کی دیو مالاؤں، ادب اور افکار کے ساتھ ہی ساتھ عیسائیت کے زیر اثر رہ کر پروان چڑھے۔ پھر جو نئے اثرات ابھی تک ان کی ترقی کے متحرک رہے ہیں، وہ مادہ پرستی ہے۔ اس کے برعکس مشرق کی تہذیب میں جو چیز مشترک رہی ہے وہ الوہیتی نظریہ حیات اور مادے پر ذہن کا غلبہ ہے۔ لیکن تاریخ کے بہاؤ نے اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا، یعنی مشرق غرب جس میں سارے عرب ممالک شامل ہیں، پھر مشرق وسطیٰ جس میں ایران وتوران اور درمیانی ایشیا کے ممالک اور مشرق بعید جس میں چین و جاپان اور ان کے قرب وجوار کے علاقے۔ ہندستان جو اسلام کی وجہ سے ایک طرف تو مشرق وسطیٰ کے قریب اور دوسری طرف بدھ مت کی بدولت مشرق بعید سے ہم

آہنگ ہے۔اس زمرے میں انڈونیشیا بھی شامل ہے۔اسی لئے ہماری تہذیب کی بہت سی باتیں ایک دوسرے کی مشابہ اور آئینہ دار ہیں، حالانکہ یہ قرب چین کے تمدن سے آپس میں زیادہ میل جول کے سبب زیادہ ہے، اور اسی کے ذریعے جاپان نے بھی جو ابتداًء زبان اور تمدن میں چین کے زیرِ اثر رہا ہے یہاں تک کہ اس کا رسم الخط چینی ہی ہے۔

تاریخ و جغرافیہ انسان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔مختلف سرزمین، آب و ہوا اور طرزِ فکر و پیداوار تشبیہہ و استعارے کی نوعیت بالکل بدل دیتی ہیں، جن کا بدل دوسری زبان میں تلاش کرنا سہل نہیں۔عمر بھر مختلف زبانوں سے ترجمے کرتے رہنے کے بعد معلوم ہوا کہ ترجمہ کرنے کے لئے نہ صرف دو زبانوں پر عبور بلکہ اک دوسری قوم کے علم و ادب کے علاوہ اس کی ثقافت اور رہن سہن کے طریقوں کو اپنائے بغیر کامیابی حاصل ہونا مشکل ہے، جب تک کہ ترجمہ طبعزاد شعر یا تحریر کا اثر پیدا نہ کرے بھونڈا اور بے معنی رہ جاتا ہے۔

رئیس نے جہاں اپنی طبعزاد شاعری میں مہارت فن اور شاعرانہ مزاج کا ثبوت دیا ہے وہیں اپنے ترجموں میں جاپانی تہذیب سے یک گونہ ہم آہنگی اور شاعری کی لطافتوں کی پرکھ کا بھی جو جاپان کی زندگی میں رچے بسے بغیر آسان نہیں تھا۔ان کے دونوں مجموعے آپ کے سامنے ہیں جن سے ان کے ترجموں کی کامیابی کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

ان مجموعوں میں ’’گل صد برگ‘‘ تو قدیم جاپانی شاعری کے مجموعے ’’منیوشو‘‘ سے ماخوذ ہے جو جاپان میں تاریخی طور پر وہی درجہ رکھتی ہے جو چین میں کنفوشس کی ’’شر چھنگ‘‘۔اس میں پانچویں صدی عیسوی سے آٹھویں صدی کے شروع تک کی نظمیں شامل ہیں۔لیکن ’’گل صد برگ‘‘ کی نظموں کا انتخاب رئیس کا اپنا نہیں، صرف ترجمے ان کے ہیں، دوسرے مجموعے کا نام ’’چاند کے چار رنگ‘‘ ہے۔یہ رئیس کا اپنا انتخاب ہے جس میں انہوں نے جاپانی کلاسیکی شاعری کے چند دہ نمونے پیش کیے ہیں جو مزاج میں اردو کی روایتی

شاعری سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ انتخاب ایک ہی شاعرسئی گیو کے کلام سے کیا گیا ہے، جس کا زمانہ بارہویں صدی عیسوی ہے۔ نظموں کی صنف کا نام ''تنکا'' ہے جو پانچ مصرعوں کی نظم ہے۔ ''گل صد برگ'' میں بھی تنکا ہی کا انتخاب ہے اور جاپانی شاعری کی خاص خوبیوں اور شاعرانہ مزاج کو مدنظر رکھ کے پروفیسر سوزوکی کی تاکیشی نے اپنے ملک کی شاعری کا تعارف کرانے کی نیت سے کیا ہے۔ شاید اسی لئے اس میں اور رئیس کے اپنے انتخاب میں فرق یہ ہے کہ گل صد برگ کی نظموں میں ایک حد تک اجنبیت کا احساس ہوتا ہے، لیکن چاند کے چار رنگ کا انتخاب ہماری اپنی شاعری سے مزاج میں ملتے جلتے ہونے کی وجہ سے اجنبی نہیں معلوم ہوتا۔ مثلاً یہ ہیں دو نمونے ''گل صد برگ'' کے:

شاخ ہاگی پر	اوگورا کوہ پر
عندلیب جو ایک	شام کو اک ہرن کی صدا
منتظر تھا	روز آتی تھی
بہار کا شاید	پر آج آئی نہیں
اب تو نغمہ سرا ہوا ہوگا	سو گیا ہوگا شاید کہیں

اور یہ ''چاند کے چار رنگ'' کے دو نمونے ہیں:

اس نے کہا اچھی طرح	دنیا کو
میں جانتی ہوں دل ترا	سمجھتا ہوں
باتیں مگر ایسی بھلا	میں خواب گھڑی بھر کا
کرتے ہو کیوں	دل ہے
پیدا کریں تلخی سوا	کہ وہ غفلت سے بیدار نہیں ہوتا

اس مجموعے سے رئیس کی مہارتِ زبان و ترجمہ کا بین ثبوت ملتا ہے۔ کتاب کو کہیں

سے کھولئے، لطافت سے خالی نہیں۔ زبان کی سادگی، الفاظ کی دلکش بندشیں اور حسین مصرعے ہر جگہ پروئے ہوئے ملتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ رئیس کے یہ ترجمے نہ صرف مقبول عام وخاص ہوں گے بلکہ غیر اسلامی زبانوں سے کئے جانے والے تراجم میں مثالی درجہ بھی حاصل کریں گے۔

(۱۶ دسمبر ۱۹۸۹ء)

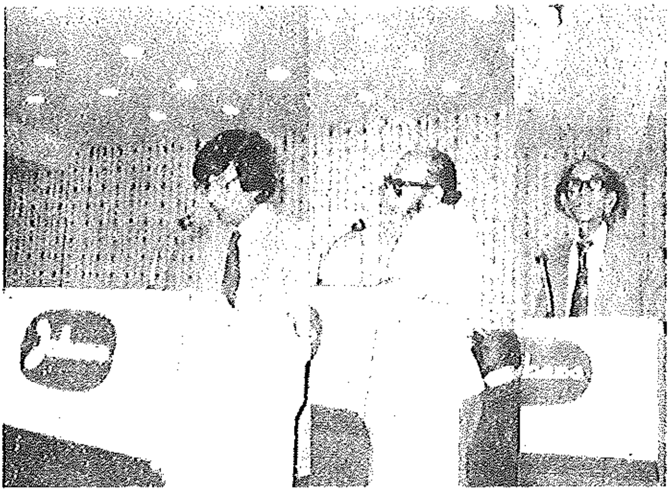

پروفیسر محمد رئیس علوی کے مجموعۂ کلام "صدا ابھرتی ہے" کی تقریب رونمائی سے (دائیں سے پہلے)
پروفیسر احمد علی، پروفیسر ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی اور صاحب کتاب کا اظہار خیال (کراچی ۱۹۸۷ء)

''صاحبِ نسب شاعر''

پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی

جاپان کے قیام کی صورت میں اب رئیس کو ایک طویل تہذیبی و ثقافتی تجربے سے گزرنے کا موقع نصیب ہوا ہے۔ یہ تجربہ اس کی شاعری میں اظہار بھی پانے لگا ہے جس کی ایک مثال ''نہ جانے کس گھڑی'' ہے، لیکن ابھی رئیس ذاتی احوال اور اپنی حسیت سے الجھ رہا ہے، اسے اس ارتکاز کے قلب تک پہنچنا ہے جو ہائیکو میں موجود ہے اور اس ابدیت کو جاننا ہے جس کا اظہار جاپانی شاعر فعل حال کو برت کر کرتا ہے۔ ہائیکو میں ماضی کا صیغہ نہیں ملتا کہ ادب ہر نقش کو نقش امروز کی طرح تازہ بنا کر ماضی کے جبر کو بے اثر کر دیتا ہے اور حال کو مستقبل کی امانت بنا دیتا ہے اور رئیس کو انسان اور فطرت کے درمیان وہ علاقہ قائم کرنا ہے کہ ہائیکو جس کا اعلان ہے۔

انسان اور فطرت کے اس رشتے کا علم رئیس کو سفر جاپان سے پہلے بھی تھا کہ ہمارا ادب انہی بلندیوں پہ اسی رشتے کی کہانی ہے۔ اردو شاعری، کائنات، انسان اور خدا کے سہ جہتی رشتے کا مکالمہ ہے۔ رئیس کا شعر ہے۔

زمانہ کس کے لئے مستقل سفر میں ہے
زمیں ہے رقص میں آوارہ آسماں کیوں ہے

غور کیجئے تو اس شعر کا سلسلۂ نسب میر صاحب کا اس شعر سے جا ملتا ہے:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں....

رئیس کی شاعری صاحب نسب شاعری ہے اور ایسے نسب کے بغیر کسی چیز کو اعتبار حاصل نہیں ہوتا۔

(''صدا ابھرتی ہے'' کے دیباچے سے اقتباس)

''محبت کار ہائیکو نگار''

اقبال حیدر

جاپانی ہائیکو شاعری کے سب سے اہم شاعر باشو کی ایک بیاض کوبے کے زلزلے کے بعد ایک تاجر کو ایک بوسیدہ الماری سے دستیاب ہوئی۔ ان کی یہ بیاض جس کا نام شمالی پگڈنڈی ہے، محض ۷۲ اوراق پر مشتمل تھی اور ڈھائی سو سال سے گم شدہ تصور کی جاتی تھی۔ تاجر نے بیاض کا عکس شائع کیا اور قیمت ۸۵ ہزار ین (تقریباً تیس ہزار روپے) رکھی جو ایک ریکارڈ ہے لیکن شائقین نے پہلے ہی دن اس کی تمام جلدیں خرید لیں۔ غالباً دنیا میں اتنی گراں قیمت کتاب کی محض ایک دن میں فروخت ہونے کی کوئی اور مثال نہ ہوگی، یہ آج بھی ہائیکو سے اہل جاپان کی دلچسپی کی ایک روشن مثال ہے۔ اور اب ایک دوسرا منظر دیکھئے سارے جاپان میں جگہ جگہ بڑے بڑے پتھروں پر ہائیکو کندہ کر کے یادگار کے طور پر نصب کئے گئے ہیں حتیٰ کہ کوہ فیوجی بلند ترین چوٹی پر بھی ایک ہائیکو کندہ کی گئی ہے۔ یہ اہل جاپان کا بیسویں صدی کے جدید ہائیکو نگار سی شی یاما گوچی سے عقیدت کا اظہار ہے۔ جاپانی قوم ہائیکو کی دلدادہ قوم ہے، وہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی ہائیکو کے حوالے سے اپنی روایات اور کلاسیکی ہائیکو نگاری کے عاشق ہیں اور جدید ہائیکو نگاروں سے بھی انہیں گہرا نسبت ہے۔ جاپان کی اس فضا میں جب ایک ایسا غیر جاپانی قدم رکھتا ہے، ادب جس کی زندگی ہے، شاعری جس کی بے چین روح کا نغمہ ہے تو وہ بھی ہائیکو دیوی کا اسیر ہو جاتا ہے لیکن چونکہ وہ کارِ ادب میں سنجیدگی اور تفکر کا قائل ہے تو وہ بھی ہائیکو کے رموز جاننے کے لئے ہائیکو کہنے سے پہلے ایک طرف تو جاپانی زبان سے آگاہی حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف وہ موسموں کے سارے رنگ اور فطرت کے تمام مناظر سے اپنی دھڑکنوں کو ہم آہنگ کرنے کے لئے

جاپان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کرتا ہے لیکن محض آوارہ گردی نہیں کرتا بلکہ وہ قدم قدم اس رستے پر چلتا ہے جس پر باشو نے اپنی زندگی میں سفر کیا تھا اور ایسی ہائیکو تخلیق کی تھیں جس نے اسے آج بھی ہائیکو کے سب سے اہم شاعر کے منصب پر فائز رکھا ہے۔ یہ کسی صنف شاعری کو سمجھنے اور اسے برتنے کا ایک منفرد طریقہ تھا یہی وجہ ہے کہ باشو کے نقش قدم پر چلنے والے اس مسافر نے بھی دلوں کو چھوتی ہوئی ہائیکو تخلیق کیں۔

شور فغاں کا ہے	پانی کو زنجیر
پتے پیڑ سے گرتے ہیں	کس نے لمحوں کو پکڑا
ہاتھ خزاں کا ہے	بچپن کی تصویر

یہ پہلی ہائیکو کا دیوانہ مسافر محمد رئیس علوی ہے جس نے ٹوکیو یونیورسٹی میں طویل عرصہ پروفیسر رہنے اور کامیاب تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ جاپانی صنف سخن ہائیکو اور واکا دونوں پر سنجیدگی سے توجہ دی۔ طبعزاد کے علاوہ نہ صرف جاپانی شعراء کے تراجم کیے بلکہ جاپانی ادب اور جاپان کے تمام قابل ذکر شعراء پر وقیع مضامین لکھے صرف تاثراتی ہی نہیں تجزیاتی اور تنقیدی بھی اس طرح انہوں نے اردو ادب کے طالب علموں کو جاپانی ادب سے متعارف کرانے میں بھرپور مدد دی۔

لیکن رئیس علوی بنیادی طور پر شاعر ہیں، ایک اچھے اور سچے شاعر۔ انہوں نے ابتداء ہی میں غزل کی شہزادی کا دامن اتنے خلوص اور پیار سے تھاما کہ اس کے لئے بھی سپردگی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ ''صدا ابھرتی ہے'' ان کی خوبصورت غزلوں کا ایک مجموعہ شائع ہو کر اہل ذوق سے داد پا چکا ہے۔ جاپانی اصناف سخن سے محبت کی بناء پر رئیس علوی جاپان کے ادبی حلقوں میں بہت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے غزلوں کی

مجموعے کی تقریب رونمائی ٹوکیو میں بھی بہت شاندار طریقے سے ہوئی جس میں اہم اہل قلم نے ان کی شاعری پر گفتگو کی اور اسے بے حد سراہا۔

رئیس علوی کی شاعری چاہے غزل ہو چاہے ہائیکو دلوں کو موہنے والی شاعری ہے، ایسی شاعری ہے کہ ہر قاری اسے اپنا تجربہ سمجھتا ہے اور اس سندرتا کو اپنائیت کے ہار پہناتا ہے۔

پیراہن کے رنگ
اس کے چہرے پر بکھرے
پھول ہوئے سب دنگ

چاند چمکتا ہے
اس کو دیکھ کے بادل سے
منہ کو ڈھکتا ہے

رئیس علوی کی ہائیکو میں یوں تو زندگی کے تقریباً تمام موسم ہیں لیکن چونکہ وہ ایک وضع دار، روایات کے پاسدار شخص ہیں لہٰذا انہوں نے غزل کی تمام تر روایات کو اپنے نہاں خانۂ دل میں یوں اتار لیا ہے کہ وہ ان کے خون کے ساتھ گردش کرتی ہیں اس لئے وہ غزل کے نمایاں موضوعات اور بالخصوص ہجر و وصال سے صرف نظر نہیں کرتے بلکہ وصال لمحے تو ان کے یہاں کم کم ہیں، ہاں جدائی کے موسم کو غزلوں کی طرح انہوں نے اپنی ہائیکو میں بھی پوری شدت احساس کے ساتھ لکھا ہے۔

شبنم پتوں پر
صبح جدائی کا منظر
آنسو پلکوں پر

کب گل مہر کھلا
باغ اداس ہے جب سے آہ
گھر کو یار گیا

بارش کا موسم
دور ہے اک مدت سے وہ
آنکھیں اکثر نم

لیکن رئیس علوی کے یہاں غم جاناں اور غم دوراں کی لہر ریل کی پٹریوں کی طرح ساتھ ساتھ چلتی ہے وہ اپنے اردگرد کے ماحول، مسائل اور تقاضوں سے بے خبر نہیں۔ ابدی رستے پر ان کے وجدان سفر کے دوران میں ان کا مشاہدہ اتنا گہرا ہے کہ وہ تجربہ بن جاتا ہے۔ وہ باشو کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے پہلے کہ لمحہ گزر جائے اور منظر بدل جائے تم ہائیکو کہہ لو:

سورج ڈھلتا ہے
ایک ہوا کے جھونکے سے
پھول بکھرتا ہے

شور ہوا کا ہے
موج سمندر سے اونچی
کھیل فنا کا ہے

محمد رئیس علوی کا سفر ابھی جاری ہے ان کے لئے ہائیکو نگاری محض ایک کار ادب نہیں کار محبت ہے کہ محبت ہی ایسا سچا جذبہ ہے جو آدمی اور آدمی کے درمیان، آدمی اور فطرت کے بیچ اور آدمی اور خود اس کے اپنے آپ کے مابین ایک مستحکم پائیدار اور فطری رشتہ ہے۔ یہ آہنگ اور توازن نہ ہو تو شاید یہ زمین ہی اپنے محور سے ہٹ جائے۔ رئیس علوی اس کے رمز آشنا ہیں سو وہ انتہائی خلوص دیانت داری اور کامیابی سے اس کارِ محبت یعنی ہائیکو نگاری میں مصروف ہیں!

کوزہ گر کے ہاتھ
صورت بدلے مشتِ خاک
گردش میں ہے چاک

تنوع پسند، ہمہ جہت مدیر
ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی
کی زیرادارت
سہ ماہی کوہسار جرنل
بھاگل پور (ہندوستان) سے باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے

محمد رئیس علوی: الفاظ کی تہذیب کا شاعر

شہاب الدین شہاب☆

میر کا ایک مقطع ہے:

دور بیٹھا غبارِ میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

یہ شعر عشق کی تہذیب کا ایک نمائندہ شعر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے الفاظ کے دروبست میں پیرایۂ اظہار کا جو سلیقہ لئے ہوئے ہے اسے ہم لفظوں کی تہذیب سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ الفاظ کی اس تہذیب کی جڑیں بہت دور تک لسانیات، زبان و بیان کے ارتقاء، تمدن اور تاریخ میں پیوست ہوتی ہیں۔ جب کوئی شاعر اس قرینے کو اپنے اندر جذب کر کے اسے اپنے اظہار میں بروئے کار لاتا ہے تو موضوع خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ہم اس کی خوش سلیقگی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جیسے کوئی موسیقار سروں کے امتزاج سے ایک تالیف (Composition) تیار کرتا ہے اور اس میں ایک دوسرے سے میل کھاتے ہوئے ہم آہنگ سروں کو یکجا کر دیتا ہے، اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بے جوڑ، ان مل سر اس تالیف میں کہیں جگہ نہ پائیں کہ وہ اس تالیف (Composition) میں رخنہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اس پورے عمل میں بہرطور یہ گنجائش اپنی جگہ ہے کہ تجرباتی طور پر بے جوڑ سروں کو بھی ایک خاص طرح کے حسن کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

محمد رئیس علوی معاصر شعراء میں الفاظ کی تہذیب کے تعلق سے ایک خاص مقام کے حامل ہیں۔ ان کی صبا خرام شاعری اپنے وصف کی بناء پر اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہے۔ رئیس علوی کے بارے میں مجتبیٰ حسین نے لکھا ہے، ''آپ محمد رئیس کے شعر پڑھیئے، بڑے

اچھے آدمی سے آپ کی ملاقات ہوگی۔ اچھے آدمی سے ملاقات خوش نصیبی ہے''۔ یہ خوش نصیبی بہت سے لوگوں کی طرح میرے حصے میں بھی آئی ہے بلکہ دہرے طریقے سے میں اس میں حصہ دار ہوں کہ رئیس علوی میرے کالج کے زمانے کے استاد بھی ہیں یوں ان کی شفقت و محبت کا اور عنایات کا سلسلہ مجھ پر تب سے جاری و ساری ہے۔ رئیس علوی کا تعلق لکھنؤ سے ہے۔ ان کے وطن کے حوالے سے، ان کی وضع قطع سے متعلق جو تصور ابھرتا ہے اس میں پاجامہ کرتا اور سر پر دو پلی ٹوپی ہوتی ہے لیکن میں نے ہمیشہ انہیں ٹائی سوٹ میں ملبوس دیکھا البتہ ان کی نشست و برخاست اور گفتگو واضح طور پر پتہ دیتے ہیں کہ لکھنؤ کی تہذیب کس طرح ان کے مزاج میں رچی بسی ہے۔ گویا انہوں نے لکھنؤ کی تہذیب کو خارجی طور پر وضع قطع کا حصہ بنانے کے بجائے اس کی روح کو اپنے داخل اور اپنی شخصیت میں بسایا ہے۔ وہ تمام تر شائستگی، نفاست، شفقت و محبت اور فراخ دلی جو ان کی شخصیت کا حصہ ہے، ان کی شاعری میں بھی موجود ہے۔

دبستان لکھنؤ کی خارجی شاعری سے انہوں نے الفاظ وتراکیب کے دروبست کی حد تک کسب فیض ضرور کیا ہے لیکن ان کی شاعری جذبے اور کیفیت کی شاعری ہے۔ ان کی غزل انتہائی نرم و ملائم اور خوبصورت لفظیات سے مزین ہے۔ وہ شاعری میں ایسے الفاظ کے استعمال سے گریز کرتے ہیں جو غزل کے مزاج کے خلاف ہوں یا کسی طبع نازک پر گراں گزریں۔

سوچتا ہوں کبھی دریا ہوتا
میں کسی شہر نہ ٹھہرا ہوتا
رہگزر ہوتا کہ سینے پہ مرے
دم بدم کوئی گزرتا ہوتا

پاؤں ہوتے مرے آوارہ خرام
سر میں اک زلف کا سودا ہوتا
کاش اس عمرِ گریزاں سے الگ
کوئی لمحہ مرا اپنا ہوتا

یہ اشعار پتہ دیتے ہیں کہ رئیس علوی کی گرفت اردو کی شعری روایت پر کتنی مضبوط ہے لیکن وہ روایت کے اسیر نہیں۔ وہ کسی دریا کے بہاؤ کی طرح اپنا راستہ بناتے نظر آتے ہیں۔ وہ کسی سیاح کی طرح زندگی کو دیکھتے ہیں اور یہ زندگی ایک شاعر کے حسّی تجربے سے گزر کر فن پارے میں ڈھل جاتی ہے۔

رئیس علوی نے متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن محسوس یہ ہوتا ہے کہ ان کا مزاج بنیادی طور پر غزل سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ فقط غزل میں زیادہ مہارت اور چابکدستی سے اظہار کر پاتے ہیں بلکہ یہ کہ غزل کی روایت اور اس کی لفظیات کے انجذاب نے انہیں یہ مہارت عطا کر دی ہے کہ وہ دیگر اصناف میں بھی اس سے انتہائی مؤثر اور کارگر انداز میں کام لے سکتے ہیں۔ غزل کی کٹر صنف دراصل شاعر کو ریاضتِ فن کے سخت عمل سے گزار کر کندن کر دیتی ہے۔

رئیس علوی ابھی غزل اور نظم کے تخلیقی عمل میں مصروف تھے کہ ان کی توجہ جاپانی صنفِ شاعری ہائیکو کی طرف مبذول ہوئی۔ یہ انتہائی مختصر صنف انہیں اچھی لگی اور انہوں نے غزل اور نظم کے ساتھ ساتھ ہائیکو کو بھی اپنا وسیلۂ اظہار بنایا۔ اسی اثناء میں انہیں مہمان پروفیسر کی حیثیت سے جاپان جانے کا موقع ملا۔ جاپان میں انہیں جاپانی شاعری کے حوالے سے اس کی تہذیب کے براہِ راست مشاہدے کا موقع ملا۔ وہاں ان کی توجہ واکا اور تنکا کی جانب ہوئی اور انہوں نے قرونِ وسطیٰ کے مقبول ترین جاپانی شاعر سئی گیو کے تنکا کے تراجم شروع

کر دیے۔ بعد میں یہ تراجم ''چاند کے چار رنگ'' کے عنوان کے تحت شائع ہوئے۔

وہ لکھتے ہیں: ''جاپان کی قدیم شاعری کی منتشر مطالعے کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ جاپان کی کلاسیکی شاعری اپنی کئی صفات میں اردو کی روایتی شاعری سے بہت قریب ہے۔ عشق کے آداب و احساسات، ان کی لطافتیں اور نزاکتیں، اظہار کے پیرائے اور علامتوں کے سیارے اردو غزل کی زمینوں کی طرح یہاں بھی خیال کے آسمان پر جگمگاتے ہیں۔ میں نے سوچا، یہ مشرق کی شاعری ہے''۔

بلبلِ خوش نوا تو گر
چھوڑے یہ آشیان و در
وادی سے دور جائے پر
مجھ کو
نہ بھولنا مگر

پھول چیری کے ہنستے ہوئے
دیکھ کر
بے وجہ
دل پہ
افسردگی چھائی

شام کو پہاڑوں سے
گرمیوں میں پیڑوں کی
چھاؤں میں ہوا ٹھنڈی
ایسے نرم سائے کو

کون چھوڑ کر جائے

ان کا ننکا کے تراجم کی طرف مائل ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ رئیس علوی کا مزاج غزل کی شائستگی کے ساتھ ساتھ مناظر فطرت سے گہری مطابقت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس علوی غزل اور نظم کے ساتھ ساتھ مسلسل ہائیکو تخلیق کر رہے ہیں۔

شور ہوا کا ہے / موج سمندر کی اونچی / کھیل فنا کا ہے

بارش کا موسم / دور ہے اک مدت سے وہ / آنکھیں اکثر نم

شور فغاں کا ہے / پتے پیڑ سے گرتے ہیں / ہاتھ خزاں کا ہے

رئیس علوی نے ہائیکو کے مندرجہ بالا روایتی اوزان پانچ، سات، پانچ کے صوتی ارکان کے علاوہ دیگر ارکان میں بھی ہائیکو لکھے ہیں۔ موسم کو ظاہر کرتا ہوا کوئی لفظ جو ہائیکو کے لوازمات میں شامل ہے بیشتر مقامات پر رئیس علوی کے ہاں موجود ہے لیکن موسموں اور مناظر فطرت کے علاوہ بھی انہوں نے زندگی کے بے شمار موضوعات کو ہائیکو کی صنف میں جگہ دی ہے:

نظریں، در، دیدار / موسم ایک بہار خزاں / چلمن پیچھے یار

اس کے چہرے پر / ایک ندامت کا پرتو / بارش صحرا میں

پانی کی زنجیر / کس نے لمحوں کو پکڑا / بچپن کی تصویر

بعض ہائیکو میں انہوں نے مابعد الطبعیاتی موضوعات کو غزل کی سی چابکدستی اور تہذیب کے ساتھ برتا ہے:

کوزہ گر کے ہاتھ / صورت بدلے مشتِ خاک / گردش میں ہے چاک

زیست بھاری ہے / جسم کا بوجھ اٹھاتے ہیں / گھڑی گھڑی بھاری ہے

مشاہدۂ فطرت، فکر کے تعمق اور جذبے کی سرشاری کے ساتھ رئیس علوی کا یہ شعری سفر جاری و ساری ہے۔ ان کی شاعری ایک مقامِ اعتبار حاصل کر چکی ہے۔ ان کی شاعری کا جو وصف انہیں دوسروں سے علیحدہ کرتا ہے اور ان کے لہجے کو پہچان عطا کرتا ہے وہ نرم اور سبک الفاظ اور ان کا انتہائی مہذب اور شائستہ استعمال ہے جو سننے اور پڑھنے والے کے مزاج میں کہیں بھی تکدر پیدا نہیں کرتا بلکہ اپنے گداز سے دھیرے دھیرے دل کے تاروں کو چھیڑتا ہوا دھیمے سروں کو موسیقی میں بدل جاتا ہے۔

☆ شہاب الدین شہاب پروفیسر محمد رئیس علوی کے انتہائی قابل اور لائق فخر شاگرد ہیں جن کا اپنا کلام بھی ہر حلقے میں داد و تحسین پاتا ہے۔ کئی زبانوں پر عبور کے حامل شہاب اپنے معاصرین میں علمیت کے اعتبار سے بہت آگے ہیں۔ (مدیر)

پروفیسر رئیس علوی دورۂ "باشو کی راہ پر" کے موقع پر باشو کے مجسمے کے ہمراہ (۱۹۹۹ء)

''حسنِ فطرت کا سچا عکاس''

رخسانہ صبا

حسن خواہ فطرت کا ہو یا شخصیت کا، اُس کا طلسم صرف اُس وقت دل کو اسیر کرتا ہے جب آنکھ میں حسن شناسی کا وصف روشن ہو۔ حسن شناسی کی یہ صفت انسان کو خارجی مظاہر اور بیرونی مناظر کی سیر کراتے کراتے طلسم خانۂ ذات میں لے جاتی ہے جہاں ہر منظر میں ایک نیا منظر پوشیدہ ہوتا ہے اور ہر صدا کی بازگشت کے طور پر ایک نئی صدا ابھرتی ہے۔ رئیس علوی کے ہاں بھی یہ احساسِ جمال اور وصفِ حسن شناسی اس درجہ رچا بسا ہے کہ ان کی شخصیت اور شاعری دونوں کی پہچان بن گیا ہے۔

چاند کے چار رنگوں کی طرح رئیس علوی کی تخلیقی توانائی بھی چار مختلف رنگوں میں منعکس ہے، غزل، نظم، ہائیکو اور تنکا۔ یہی وہ چار رنگ ہیں جن سے انہوں نے پیرہن شعر کو آراستہ کیا ہے البتہ ان کی طبیعت میں جو نفاست و لطافت ہے اُس نے انہیں جاپانی صنفِ سخن ہائیکو سے بہت قریب کر دیا ہے۔

جب موسم بہار میں شبنم کے قطروں پر سورج کی پہلی کرن پڑتی ہے، جب موسم خزاں میں پتوں کی پازیب بجتی ہے، سرما کا چاند جب بادلوں کی اوٹ سے جھانکتا ہے اور موسم برشگال میں ساحل پر ٹہلتے ہوئے جب بھیگی ہوئی ریت کی ٹھنڈک تلووں کے راستے دل میں اترتی ہے تو روحِ انسانی کے بند دریچے کھل جاتے ہیں اور موسم بہار کے تازہ جھونکے کی مانند ہائیکو کی تخلیق ہوتی ہے۔

رئیس علوی کی ہائیکو بھی محض بدلتے ہوئے موسموں اور گزرتے ہوئے مناظر کی عکاسی

نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس میں اس سرمدی نغمے کی گونج بھی ہے جو فطرت کے تغیرات اور انسانی جذبات کے میل میلاپ کی بدولت وجود کی گہرائیوں سے پھوٹتا ہے مثلاً رئیس علوی کہتے ہیں:

شبنم پتوں پر / صبح جدائی کا منظر / آنسو پلکوں پر

پلکوں پر اٹکے ہوئے اشکوں کے موتیوں میں جس طرح شاعر نے شبنم کے قطروں کی آب و تاب تلاش کی ہے اس کے لئے شاعر کی نازک خیالی داد کی مستحق ہے رئیس علوی نے جو ہائیکو لکھے ہیں ان میں نیچر کے حوالے سے محض سطحی اور ظاہری حسن پرستی نظر نہیں آئے گی بلکہ ان میں ہجر کے اس لازوال موسم کا حسن بھی چھلکتا نظر آئے گا جس کے بغیر طائر دل مائل پرواز نہیں ہوتا، رئیس علوی کی غزلوں میں فرقت کا جو دکھ سوتا جاگتا اور کروٹیں بدلتا نظر آتا ہے وہی ان کی ہائیکو میں بھی اکثر مضطرب دکھائی دیتا ہے، مثلاً:

بارش کا موسم / دور ہے اک مدت سے وہ / آنکھیں اکثر نم

ساون برسا ہے / بادل ہنس ہنس کر روئے / انگ انگ ترسا ہے

تخیل اور موضوع ہر دو اعتبار سے رئیس علوی کی ہائیکو ہمہ رنگ اور ہمہ جہت ہیں۔ ان کے ہاں تتلی کے پروں کی سی نزاکت، شبنم کے قطروں کی سی لطافت اور گلاب کے پھولوں کی سی ملاحت اس لئے نظر آتی ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کی شاعری ہے جو اس بات پر گہرا ایقان رکھتا ہے کہ فطرت کا سارا حسن محبت کے حسن سے مستعار لیا گیا ہے اور یہی محبت ہے جو انسان، کائنات اور خدا کو ایک ڈور سے منسلک کر کے زندگی کو اس کا اصل جوہر عطا کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس قسم کے ہائیکو لکھے ہیں:

آنکھیں، لب، رخسار / پتی، پھول، گلاب، سمندر / کشتی، موج بہار

پیرہن کے رنگ / اس کے چہرے پر بکھرے / پھول ہوئے سب دنگ

نظریں، در، دیدار / موسم ایک بہار خزاں / چلمن پیچھے یار

لیکن محبت کا ساز شکستہ ہوتو بھی عزیز تر ہوتا ہے۔ ہوائیں جب خزاں رسیدہ پتوں کو گراتی ہیں تو ایک ایسا گیت جنم لیتا ہے جس کی دھن پر دکھ لہو میں گردش کرنے لگتا ہے اور تب پوری کائنات رقصِ فراق میں گم ہو جاتی ہے مثلاً دیکھئے یہ ہائیکو:

شاخ سے پھول گرا / پیڑ کے نیچے چپکے سے / خاک کا ڈھیر ہنسا

بارش، موج، ہوا / ساحل کی دیوار پہ اب / کوئی نہیں بیٹھا

الغرض رئیس علوی کی ہائیکو میں تجربات اور تاثرات کی یکجائی بھی ہے اور باطنی احساس کی شدت بھی۔ معنوی پردہ داری اور ادراک و وجدان کی کیفیت بھی۔ ان میں موسیماتی تناظر کی مصوری بھی ہے اور فکری عناصر کے زاویے بھی نمایاں ہیں۔ ان کے بعض ہائیکو اکہری سطح کے ہونے کے باوجود، اپنی سادگی کے باوصف ہمیں متاثر کرتے ہیں مثلاً:

شور فغاں کا ہے / اپنے پیڑ سے گرتے ہیں / ہاتھ خزاں کا ہے

اس کے چہرے پر / ایک ندامت کا پرتو تھا / بارش صحرا میں

کوزہ گر کے ہاتھ / صورت بدلے مشتِ خاک / گردش میں ہے چاک

جناب رئیس علوی نے ''چاند کے چار رنگ'' کے عنوان سے جاپانی صنف تنکا کے حوالے سے مشہور جاپانی شاعرئی گیو کے کلام کے جو تراجم کئے ہیں ان میں وہ شعری جمالیات بھی ہیں جن سے اردو زبان کا دامن مالا مال ہے اور جاپانی شاعری کی وہ مخصوص رومانویت بھی ہے جو موسموں، رنگوں، حسنِ فطرت اور حسنِ محبوب کی یکجائی سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً

سنگ دل

صنم کو میں کاش کہ دکھا پاؤں

یہ بہار چہری کی

اک ہوا کے جھونکے سے کس طرح بکھرتے ہیں

بے کلی میں نازک دل

یادِ ماضی سے لہو روتی ہیں آنکھیں

جس طرح

سرخ پتے

آستیں پر گر رہے ہیں

اس طرح

کسی جگہ پر

سوتے سوتے اسی طرح

گر جاؤں گا

سوچ کے دل دھک دھک کرتا ہے

راہ کنارے گھاس پہ بیٹھی اوس کی ننھی بوند

اس مضمون کی ابتداء میں میں نے رئیس علوی کے احساس جمال اور وصفِ حسن شناسی کی بات کی تھی لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان کی شخصیت اور شاعری کی تشکیل محض جمال پرستی، حسن شناسی اور رومان پسندی کے ظاہری اور سطحی عناصر سے ہوئی ہے کیونکہ اگر ان کی غزلوں کو پڑھ جائے تو ان کے پس پردہ ایک ایسا وجود نظر آتا ہے جو شوق کی بے قراری، زخم کی دلداری، قربت کی وحشت اور فرقت کی لذت کے اس حسن سے آشنا ہے

جس سے زندگی کا چہرہ تابناک ہے۔

گزر گئی شب ہجراں سو حال کیسا ہے
ستارۂ سحری اب ملال کیسا ہے
رواں ہیں اشک جو سینے میں خاک اڑتی ہے
نہ جانے دشت یہ دریا مثال کیسا ہے

اس سے ملنا، اس سے نہ ملنا
آگ میں جلنا، دشت میں چلنا
اس کا ہنسنا، اس کا نہ ہنسنا
زخم کا کھلنا ، زخم کا رِسنا

رئیس علوی کی غزلوں کو پڑھا جائے تو اس آگ کی حدت صاف محسوس ہوتی ہے جو دھیمے دھیمے لو دیتے ہوئے شعلوں پر مشتمل ہو۔ایسے شعلوں پر جن کے دامن میں ہزارہا چنگاریاں سلگ رہی ہوں مگر جن کی تپش جسم کو جلانے کے بجائے روح کو جھلسا رہی ہو۔مثلاً دیکھئے یہ اشعار:

ہوئی دل کی آنچ دھیمی تو ہوئی ہے چشم پرنم
جو نشاطِ غم تھا ہے تو بڑھا ہے درد کم کم
ترے ہجر میں گزرتے ہیں یہ صبح و شام کیسے
بڑھے رات جیسے دریا، اڑے صبح جیسے شبنم

کچھ دل کا عجب معاملہ ہے
کہنے کو چراغ جل رہا ہے

میں اس کے قریب کیا ہوا ہوں
ہر بات میں ایک فاصلہ ہے

رئیس علوی کی غزل ایک ایسے الم گزیدہ دل کی کہانی ہے جو فصل خزاں میں بھی فصل گل کی رعنائی تلاش کر لیتا ہے اور صحراؤں میں بھی، دریاؤں کی گہرائی تک جا پہنچتا ہے۔ جو ہجر و وصال کی ہر کیفیت سے آگاہ ہے اور جو اپنی غم گساری اور دمسازی کا ہنر بھی جانتا ہے۔

رئیس علوی کے مجموعۂ کلام ''صدا ابھرتی ہے'' میں جو نظمیں شامل ہیں وہ تخلیقی توانائی، جمالیاتی حسن اور فکر انگیزی کے اعتبار سے بھی اہم ہیں اور موضوع، ہیئت، طرز بیان اور ڈکشن کے اعتبار سے بھی بے حد متاثر کن ہیں۔

مثلاً ان کی نظم آخری سلام کا یہ آخری حصہ دیکھئے:

ہوائیں کیسی چلی ہیں ستم گر و سفاک
جو بادلوں کو اڑا لے گئی ہیں دریا پر
بجھی ہوئی ہیں وہ شمعیں جلائی تھیں جو کبھی
پڑی ہیں بکھری ہوئی پتیاں گلِ تر کی
بہارِ باغِ تمنا کہاں پہ ٹھہری ہے
کھلا کہاں پہ یہ عمر گریز پا، کا فریب

کہ جب خزاں نے مرے جسم میں قیام کیا
بدن نے جھک کے مجھے آخری سلام کیا

ان کی نظمیں ''سپردگی''، ''غریب شہر'' اور ''مسافت'' ایک ایسے مسافر کی نظمیں ہیں جو آرزو کے لشکر لے کر ایک لمبی مسافت پر نکل کھڑا ہوا ہے مگر سامنے زمانے کی سپاہ بکھراں ہے، دکھ اور غم کی تاریک رات بہت طویل ہے اور اس کے دل کے سارے خواب اوس میں

بھیگ کر پژمردہ ہو چکے ہیں۔

مرے خوابوں کے پرچم سرنگوں ہیں
آرزو کے سارے لشکر نے
زمانے کی سپاہِ بیکراں کے سامنے
ہتھیار ڈالے ہیں
مگر اس سوگ
یارانِ یادِ باوفا آئے
گلے لگ کر
مرے زخمی جگر کی
رات کو سب نے عیادت کی
کہا دل نے
اٹھو، پھر صبح آئی
راستے پھر سانس لیتے ہیں

اس کے علاوہ نیند، آدمِ نو، شکستِ شب، فصیل، شاخِ زیتون وہ نظمیں ہیں جنہیں ناقدین ادب نظر انداز نہیں کر سکتے اور اگر ایسا ہوا تو یہ رئیس علوی کا نہیں اردو شاعری کا نقصان ہوگا۔ الغرض رئیس علوی کی ہائیکو ہو یا تنکا، غزل ہو یا نظم یہ چاروں رنگ فطرت، محبت، فرقت اور صداقت کے وہ ازلی وابدی رنگ ہیں جن کی بہار آفرینی اردو شعروادب کے ہر سچے قاری کے دیارِ دل کو گلرنگ موسموں کے دھنک رنگوں سے سجاتی اور سنوارتی رہے گی۔

ہائیک اور خارجیت

وضاحت نسیم

انجم اعظمی نے اپنے ایک مضمون میں کہیں لکھا ہے کہ ''انسانی صداقتوں اور سماجی قدروں میں (چاہے کتنا ہی ترقی پسند سماج ہو) بڑا فرق ہے۔ دل کی دردمندی اور زندگی کی قدروں میں ابھی وہ فاصلہ ہے جسے مٹانے کے لئے شعراء کو مسلسل خون جگر صرف کرنا ہے۔ شاعری روح عصر کے اظہار میں حسن کی تخلیق اور انسان کو دریافت کرتی ہے۔ وہ انسان جو اپنی گہری اور بنیادی کیفیات سے پہچانا جاتا ہے''۔ میں سمجھتی ہوں کہ ہائیک بھی انسان کی بنیادی کیفیات کو فطرت کے حوالے سے منعکس کرتی ہے اور اردو ادب میں ہائیک کا انعکاس ایک منفرد اضافہ ہے۔

ہائیک کے تعارف اور اس موضوع پر بہت سے مقالات لکھے جا چکے ہیں، مذاکرات بھی ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اب یہ سہیل صدیقی صاحب کی محنتوں کا ثمر ہے کہ پاکستان میں موجود پاکستانی ہائیک نگاروں کا تفصیلی تعارف ان کی تخلیقات کے ساتھ ایک خاص نمبر کے تحت شائع کرتے جارہے ہیں۔ جاپانیوں کو اس صنف سخن سے جتنا واسطہ ہے ہمیں بھی اپنے ادب میں ہائیک کے گراں قدر اضافے سے اتنا ہی واسطہ ہونا چاہئے۔ سہیل صدیقی صاحب لائق مبارک باد ہیں کہ وہ تن تنہا ہائیک نگاروں کے نمبر چھاپ کر بعد میں ساری آئی گئی بھی بھگت لیتے ہیں اور پھر اس مرتبہ پروفیسر محمد رئیس علاوی صاحب کی جانب مبارک بادوں کا سلسلہ رواں ہے۔ میری جانب سے بھی انہیں دلی مبارکباد، ویسے میری ذاتی رائے میں یہ نمبر سب سے پہلے نکلنا چاہئے تھا۔

رئیس صاحب نے جاپان میں تین سال رہائش کے دوران میں اپنا تمام قیمتی وقت جاپانی ادب پر کام کرنے میں صرف کیا۔ سئی گیو جو جاپانی ادب میں ایک نمائندہ شاعر ہے اس کی تخلیقات کے تراجم رئیس علوی صاحب نے اپنی کتاب ''چاند کے چار رنگ'' میں پیش کئے ہیں اور وہ تراجم اسی طرح کئے ہیں کہ سئی گیو کا نروان زندہ ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ مان یو شو، جو جاپانی شاعری کی قدیم ترین صنف سخن ہے اس کے لکھنے اور سننے والے بھی شاہوں میں یا شاہوں کے اقرباء میں شامل ہوتے تھے۔ رئیس صاحب نے منیوشو کے ہی نام سے اپنی کتاب میں منیوشو کے تراجم کئے ہیں۔ ان کی ایک اور کتاب ''اردو جاپانی بول چال'' ہے جو پروفیسر سوزوکی تاکیشی اور رئیس صاحب نے مشترکہ کوششوں سے لکھی یہ کتاب اب بھی جاپان میں یونیورسٹی آف فارن لنگوئجز میں اردو زبان کے طالب علم پڑھتے ہیں اور ہندوستان اور پاکستان کی جانب سفر میں اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ رئیس صاحب نے ہائیک اور واکا پر کئی وقیع مضامین لکھے ہیں جو پاکستان کے اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ رئیس صاحب کی غزلوں اور نظموں پر مشتمل کلام ''صدا ابھرتی ہے'' شاید وہ پہلی کتاب ہے جس کی تقریب تعارف جاپان میں ہوئی۔ اس تقریب میں اس وقت کے سفیر پاکستان نے بحیثیت صدر شرکت کی اور پھر یہ کتاب وہاں پر ان جاپانیوں نے خریدی جو اردو زبان کے طالب علم تھے اور اردو اچھی طرح جانتے تھے۔ ٹوکیو میں کتابوں کی دو مشہور دکانیں ہیں جن کے نام ''کینوکنیا'' (Kino kunya) اور ''ماروزین'' (Maruzen) ہیں۔ ان دونوں جگہوں پر رئیس صاحب کی کتابیں فروخت کے لئے رکھی گئیں۔ ایک کتاب جاپان کے ہر ہوٹل کے ہر کمرے میں رکھی جاتی ہے۔ تا کہ مہمان فارغ وقت میں اس کا مطالعہ کر سکے۔ اس کتاب کا نام ہے ''بدھا'' ظاہر ہے کہ یہ کتاب جاپانی اور انگریزی زبان میں ہی ہوتی ہے۔ رئیس صاحب نے لاہور کے ایک مشہور پروفیسر کے کہنے پر اس کتاب کا

اردو میں ترجمہ کیا لیکن اب اس کتاب کے سرورق کو تو جانے دیجئے اندرونی صفحات میں بھی رئیس صاحب کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رئیس صاحب نے جاپانی ادب پر وقیع کام کیا ہے جو جاپان کے ماحول، ثقافت اور اس معاشرے کے مشاہدات پر مبنی ہے۔ انہوں نے مضامین کی شکل میں جاپانی ادب اور اردو ادب کا تقابلی جائزہ بھی کیا ہے۔ اتنی محنت کرنے والے کا حق بنتا ہے کہ اس کا تعارف پہلے پیش کیا جائے۔

رئیس علوی صاحب لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، سو وہ ان تمام نزاکتوں سے پُر ہیں جو بنیادی طور پر ایک اچھے انسان کو بہت اچھے Moral Finishing Touch سے مالا مال کر کے اس کی شخصیت کو ارتکاز بخشتی ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ لکھنؤ کی خارجی شاعری کرنے والا شاعر ہی بہت اچھی ہائیک لکھ سکتا ہے حالانکہ رئیس صاحب خود لکھنؤ کی خارجی شاعری کو خارجی کہنے سے انکاری ہیں۔ انہوں نے لکھنؤ کے دبستانِ شاعری کا جاپانی شاعری سے موازنہ کرتے ہوئے کہیں یہ لکھا ہے کہ خارجیت میں جب تک داخلیت شامل نہ ہو خارجیت وجود میں نہیں آ سکتی۔ یہاں میں رئیس صاحب کا ایک شعر پیش کرتی ہوں:

بیاضِ گل پہ رنگ گردشِ ایام لکھتے ہیں
ہوا کے ہات شبنم سے ہمارا نام لکھتے ہیں

تو یہ لکھنؤ کی خارجیت کا کرشمہ ہے کہ جاپانی ادب اور جاپانی صنف شاعری رئیس صاحب کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی نظر آتی ہے۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ وہ جاپان میں بھی رہ کر آ گئے۔ اب اپنے ادبی ورثے میں جاپانی شاعری کا ادغام یقیناً ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہمارے شعرائے کرام جاپانی ہائیک کو اردو ہائیک بنانے میں اتنے مگن ہیں کہ ہائیک کی روح فضا میں تحلیل ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ میں خود کو بھی انہی شعراء میں شامل سمجھتی ہوں، کیونکہ ہم بنیادی طور پر غزل کی جانب مائل ہیں اس لئے ہماری ہائیک بھی

اکثر ''غزل زدہ'' ہو جاتی ہیں۔ ہر صنف سخن میں ایک انفرادی خصوصیت اور اپنی خوبصورتی ہوتی ہے اگر اس خوبصورتی کو نظر انداز کر کے اس صنف سخن میں تبدیلیاں کی جائیں تو یہ بے جا مداخلت ہو گی جس کی وجہ سے نہ اس صنف سخن کا بھلا ہو گا اور نہ شاعر کا۔ رئیس صاحب سے بھی ایک بار اس موضوع پر گفتگو ہوئی۔ ان کا خیال بھی یہی تھا کہ ہم ایسے ماحول میں رہ کر جاپان کے ماحول کی شاعری تو کر ہی نہیں سکتے۔ جاپان میں چار موسم اپنے پورے حسن کے ساتھ بھرپور انداز میں آتے ہیں اور تمام لوگوں پر یکساں طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ شاعر کی حس لطیف اعلیٰ ترین ہوتی ہے اور وہ جن لمحات سے متاثر ہوتا ہے ان کا بیان اپنی شاعری میں کرتا ہے۔ چیری بلاسم کی مثال بہت واضح ہے، چیری کے کھلنے پر پورے جاپان کو ایک نیا جوبن ملتا ہے۔ اس بہار کا بیان نت نئے انداز سے جاپانی شاعر یا وہ شاعر ہی کر سکتا ہے جس نے اس بہار سے لطف اٹھایا ہو۔ خیر یہ ذکر جانے دیجئے۔

ہائیک سادہ ترین انداز میں فطرت سے ہم آہنگ ہو کر کہی جاتی ہے۔ فطرت کے ہزار ہا روپ ہیں اور جاپان میں تو یہ روپ ایک نئی کشش کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ فطرت کی ہر تخلیق کو جاپانیوں نے اپنے دھیان اور سلیقے کا لمس دے کر اچھوتا بنا دیا ہے۔ شاعر فطرت کے قریب ہوتا ہے۔ لطافت کا اظہار اور لطافت اجاگر کرنے کی ضرورت شاعری کے امکانات کو اجاگر رکھتی ہے۔ ہائیک ایسے ہی پر لطف لمحات پر اپنی مہر لطیف ثبت کرتی ہے جسے ذہنی آسودگی محبت کا نام دے دیتی ہے۔ خوبصورت لمحات قدرت کی دین ہیں اور ہائیک خوبصورت لمحات کی دین۔ رئیس صاحب کے تین ہائیک ملاحظہ کیجئے:

لوگوں کا ایک سیل / گل بنی کا موسم ہے / اوا ے نو کا باغ

گلشن سے کچھ دور / بھنورا پوچھے پھولوں سے / آپ کا نام حضور

شاخ سے پھول گرا/ پیڑ کے نیچے چپکے سے/ خاک کا ڈھیر ہنسا

رئیس صاحب اپنی جاپانی ادب سے وابستگی اب زندگی بھر رکھنے میں حق بجانب ہیں
کیونکہ وہ اس کے اسیر ہو چکے ہیں۔ ان کا اپنا ایک شعر ہے کہ:

اسیر ایسے ہوئے ہیں نہیں مقام کی قید
ہمارے ساتھ یہ دیوار و در بھی چلتے ہیں

جن دنوں رئیس صاحب اپنی ملازمت کے سلسلے میں جاپان میں مقیم تھے ان دنوں اتفاقاً میں بھی کچھ عرصے کے لئے جاپان میں تھی۔ تو کیو یونیورسٹی آف فارن لینگوئجز کے پروفیسر سوزوکی تاکیشی سے دو تین بار میری ملاقات رہی۔ پہلی بار جب رئیس بھائی وہاں نہیں تھے اور دوسری دو ملاقاتیں اس وقت ہوئیں جب وہ بحثیت پروفیسر یونیورسٹی میں پڑھا رہے تھے۔ میں نے یونہی سوزوکی صاحب سے سوال کیا کہ رئیس صاحب سے پہلے ایک ہندوستان سے آئے ہوئے پروفیسر یہاں اردو پڑھا کر گئے ہیں اور اب رئیس صاحب نے ان کی جگہ لے لی ہے تو آپ کو ان دونوں کے پڑھانے کے انداز میں کوئی فرق محسوس ہوا یا نہیں۔ اس کے جواب میں سوزوکی صاحب نے بہت اعتماد کے ساتھ یہ کہا کہ نہ صرف رئیس صاحب کے پڑھانے کا انداز بہت اچھا ہے بلکہ ان کی پڑھائی ہوئی اردو اور اس کا لہجہ یہ بتاتا ہے کہ اب ہم اپنے طلبہ کو صحیح اردو پڑھا رہے ہیں۔ یہ رئیس صاحب کے زبان و بیان اور لہجے کا جادو تھا کہ وہاں ان کے رہتے ہوئے یونیورسٹی کا رابطہ مختلف بڑے اداروں کے ساتھ ہوا۔ پاکستان ایمبیسی میں شعبۂ اردو کے طلبہ کا تعارف پیش کیا گیا اور یونیورسٹی میں منعقد ہونے والے اردو زبان کے مقابلوں میں ایمبیسی کی جانب سے انعامات رکھے گئے۔ مختلف اداروں نے بھی ان مقابلوں میں انعامات رکھ کر اپنے بھرپور تعاون کا اظہار کیا۔ رئیس صاحب اپنے طلبہ کے ساتھ براہ راست رابطہ رکھتے تھے اور ان کو اتنا وقت دیتے

تھے کہ اب بھی جب کبھی وہ طلبہ پاکستان آتے ہیں تو پہلے انہی سے رابطہ کرتے ہیں۔ وہ اب بھی اپنی سرزمین پر ان کی راہنمائی کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور اس طرح بحسن وخوبی اپنے وطن کی نمائندگی کرتے ہیں۔

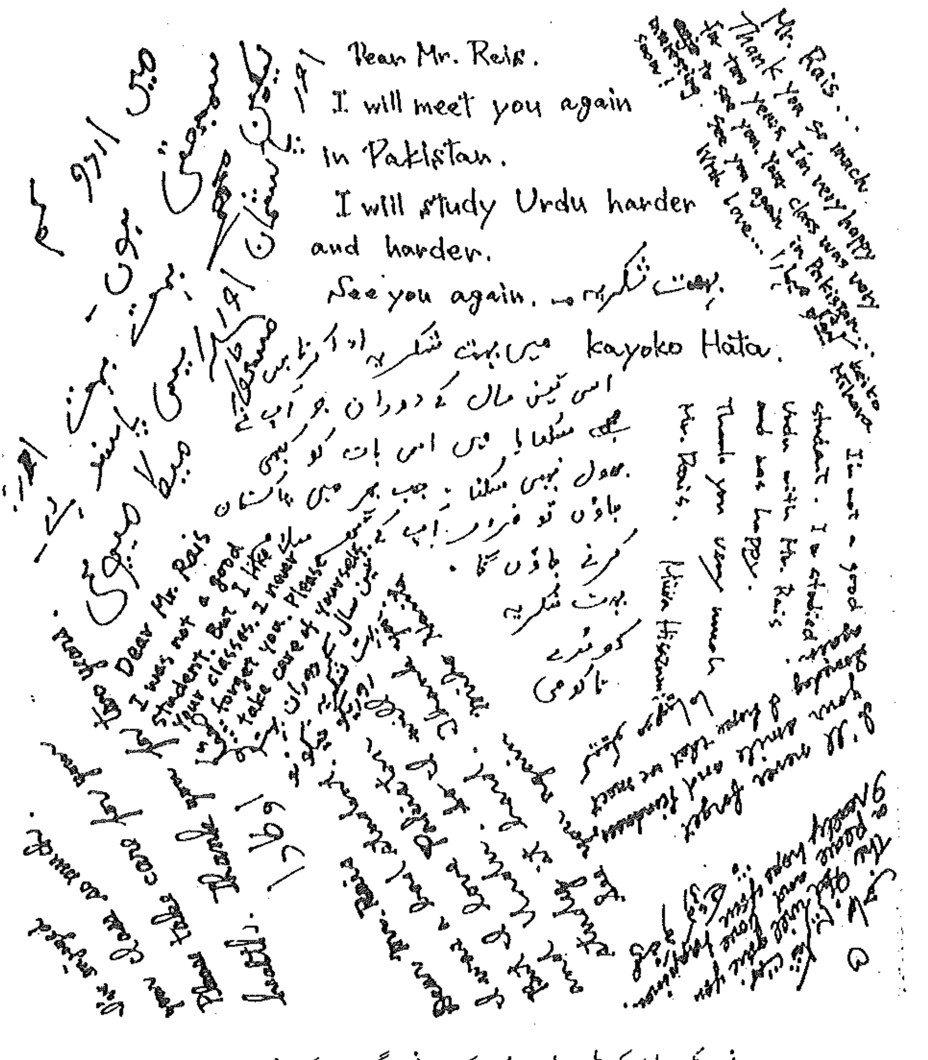

Dear Mr. Reis.
I will meet you again
in Pakistan.
I will study Urdu harder
and harder.
See you again. بہت شکریہ
Kayoko Hata.

Dear Mr. Rais
I was not a good
student. But I like
your classes. I never
forget you. Please
take care of yourself.

پروفیسر رئیس علوی کی وطن واپسی پر اُن کے جاپانی شاگردوں کے تاثرات

میرا نام یوشیدا میتسو کازو ہے
わたしはよしだみつかずです。
3年間お世話になりまして
どうもthanksでした。
SUMO and PRO WRESTLINGを
いつまでもNever forget 巌流島 spirits
GANRYUJIMA
When you come back to Japan, please call me and kiss me.

二年間、大変御世話になりました。
また、地球のどこかで御会いしましょう。
جب بھی آپ کہیں جگہ میں رہوں گا تو
میں آپ کو نہیں بھولوں گا۔
اس کلچ کی بات یاد رکھیے۔
ماتسوؤ شین

میں "اوبے" ہوں۔ میرے پاس "ڈائی"
(دائو)
ہیں۔ آپ ہمیشہ کے لیے خوش رہیں۔
چار سال کے لیے بہت شکریہ۔ کراچی جانے
وقت آپ کے گھر جانے کا ~~اجازت~~ ہے؟
اجازت
میں آپ کو خط لکھوں گا۔

میرا نام فوتوری یوجی رو ہے۔
ضرور، میں کراچی نہ جاؤں گا۔
میرا خیال ہے کہ آپ اچھا ہو گا۔
مجھے اردو پسند ہے۔
بہت شکریہ۔

میں ڈائی ہوں۔ میرے پاس "اوبے"
ہیں۔ اردو ڈراما "رشتہ" کے وقت
ہمارے لیے قیمتی وقت نکلی بہت
شکریہ۔ خدا حافظ۔
کوماتسوزاکی "ڈائی" تسویوشی

I enjoyed studying Urdu with you. Do you remember when we first met each other? I was still highschool student and you told me about Pakistani culture and people and so on. I was impressed with your story. So I decided to chose Urdu department. Thank you very much
ناگایا

Have you ever seen TENGU?

HAVE WILL
GO TRAVELL
سوزوکی شن۔

WHO I AM ??

I am very happy to have met you in this university. Please take care of your health in Pakistan
کنا والا نوکورو یوسوکے

مجھے افسوس ہے کہ آپ
پاکستان واپس جائیں۔
میں آپ کبھی نہیں بھولوں گی۔
کودوئی کیتکو

Thank you for my degree.
یوبچی توجیمو تو

THANK YOU FOR YOUR
MANY MANY MANY
KINDNESS!
اکیموتو AKIMOTO

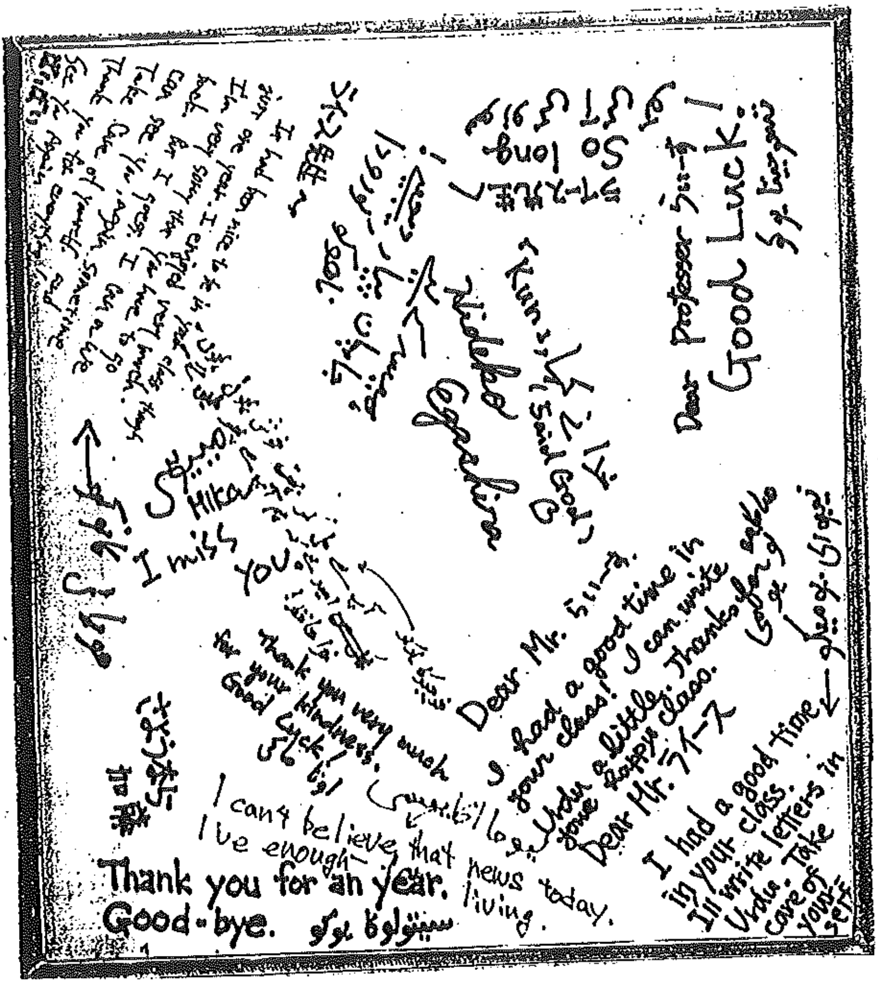

Dear Mr. ヨシーダ
I had a good time in your class! I can write Urdu a little. Thanks for a happy class.
Dear Mr. フイーラ
I had a good time in your class. I'll write letters in Urdu. Take care of your self
Thank you very much for your kindness. Good Luck!
I can't believe that I've enough living.
news today.
I miss you
Thank you for an year.
Good-bye.
Dear Professor
Good Luck.
So long
Good Luck
Kun

کلاسیکی ہائیک کی خوشبو

روبینہ تحسین

بعض تحریریں قاری کو اپنی گرفت میں اس حد تک لے لیتی ہیں کہ سب کچھ پڑھ لینے کے باوجود قاری تشنگی محسوس کرتا ہے اور یہی ایک اچھا لکھنے والے کی پہچان ہے۔

محمد رئیس علوی صاحب کا خوبصورت اسلوب، سادگی سے باتیں کرنے کا انداز اور جیسی نفیس اور شائستہ ان کی شخصیت ہے ویسی ہی ان کی تحریر ہے۔ انہوں نے زندگی کے ان گنت روپ اتنے مؤثر اور حیران کن، حقائق سے نزدیک انداز اپنی ہائیکو میں سموئے ہیں کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ ہائیکو کی تفہیم پر عبور رکھتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ ہائیکو کا مطلب قدرتی منظر کشی کے علاوہ انسان کے مزاج میں شگفتگی اور دل نشینی کے ساتھ ساتھ بلا کی شادمانی پیدا کرنا ہے۔ ان کی ہائیکو کو نمائندہ شاعری کا نام دیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے لہجے میں چاشنی اور رچاؤ ہے اور ہر ہائیک اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے اصل میں شاعر کی زندگی کے ساتھ ساتھ جیسا معاشرتی رویہ ہوتا ہے وہی رویہ اس کی شاعری میں ڈھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے، شاعر اپنے تجربوں اور مشاہدوں کو ہی پیش کرتا ہے اور اسی میں اس کے فن کا کمال ہے۔

موسم گلاب تھا/ پچھلے سال اس محفل میں/ وہ میرے ساتھ تھا

اس ہائیک میں انہوں نے اپنے اداس دل کو بہلایا ہے اور اس کی خوبی یہ ہے کہ دردمندانہ اظہار حقیقت ہے اور خلوص کی کسک نظر آتی ہے کھوئے ہوئے لمحوں کو کس قدر قریب لانے کی کوشش کی گئی ہے، لگتا ہے کہ ماضی کے جھروکوں میں جھانکتے ہوئے شاعر آج بھی اتنا ہی محظوظ ہو رہا ہے جیسا کہ گئے دنوں میں مسرور ہوا کرتا تھا اور ہلکی سی شوخ کرن

اپنا جادو جگا رہی ہے اور یوں شاعر روحانی سکون حاصل کئے ہوئے ہے۔

کیا زیست ہماری ہے / جسم کا بوجھ اٹھاتے ہیں / گھڑی بھاری ہے

یہ ہائیک ان کی سوچ کی سچائی کا اعجاز ہے گو کہ زندگی کی راہیں کہیں ہموار اور کہیں پتھریلی ہوتی ہیں اس کے باوجود انسان زندگی کے تسلسل کو قائم کئے ہوئے ہے۔ رئیس صاحب زندگی کے تلخ تجربات کو حکیمانہ انداز سے بیان کرنے کا ہنر جانتے ہیں وہ آنکھ کے نور سے زیادہ دل کی بینائی سے کام لیتے ہیں۔ اس ہائیک میں ان کی گہری اور گھمبیر سوچ نمایاں ہے۔ میرے خیال میں اس پر ایک اچھا سامع اور ایک اچھا قاری داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

رات کی تنہائی / سرد ہوا نے بے دیکھے / گھر کی شمع بجھائی

ایک میٹھے میٹھے درد کے ساتھ تنہائی کا ذکر ہے۔ اس میں شاعر اپنے دکھ درد اور سکھ کا اکیلا گواہ دکھائی دیتا ہے۔ کس قدر صداقت کا اظہار ہے۔ رات کی تاریکی میں ایک گہرا سکوت ہے۔ ہر طرف خاموشی ہی خاموشی ہے شاعر جب یادوں کی خنکی محسوس کرتا ہے تو وہ سرد ہوا کے جھونکے کو ہی دوش دیتا ہے کیونکہ وہ تصورات کی وادیوں میں بھٹکتے ہوئے اور یادوں کا خزینہ لئے ہوئے تنہا ہے۔

بارش کا موسم / دور ہے اک مدت سے وہ / آنکھیں اکثر نم

یہ ہائیک ہجوم غم پر شبنم بکھیرتی نظر آتی ہے، اور محسوس ہوتا ہے کہ احساسات کی کشتی دریا کی طغیانی میں ڈگمگا رہی ہے۔ اس میں شاعر برسات میں بھیگتا ہوا نظر آتا ہے لیکن اگلے ہی لمحے کڑی دھوپ کی تپش بھی محسوس کرتا ہے۔ بارش کے قطروں کو اپنے آنسوؤں سے تشبیہہ دے کر ایک نیا فکری موڑ دیا ہے اور اسی میں جدائی کا گہرا اور کاری زخم بھی رستا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔

رئیس علوی صاحب ان خوش نصیب اور خوش فکر شاعروں میں سے ہیں جو اظہار کا قرینہ جانتے ہیں علم کی گہرائی اور تجربے کی وسعت نے شاعری کا دامن بیش بہا رنگوں سے بھر دیا ہے اور یہ زندگی کی حقیقتیں خلوص دل کے ساتھ بیان کرتے نظر آتے ہیں ان کی آنکھ ہر منظر پر پوری طرح وا ہوتی ہے۔ ان کی ہر طرح ہائیک میں شعور ہے اور رنگارنگ دنیاؤں سے سجی ہوئی ہے، ان کی لفظیات میں جو اس اور آہنگ ہے وہ من مندر میں بجنے والی گھنٹیوں کے مدھر سروں کا سنگیت لئے ہوئے ہے۔

زیادہ اہم بات تہذیبی شعور کی ہے۔ اظہار کی بے ساختگی اور جرأت ہے، احساس اور جذبے کو متاثر کرنے والی ہر ہائیک شدید تپش میں بھی ٹھنڈک کا احساس دلاتی ہے اور دلاتی رہے گی۔

آخر میں، میں یہ کہنا چاہوں گی کہ ان کی ہائیک سے جاپان کی کلاسیکی ہائیک کی خوشبو آتی ہے۔ یہ ہائیک دیکھئے:

شاخ سے پھول گرا / پیڑ کے نیچے چپکے سے / خاک کا ڈھیر ہنسا

صوفے پر تشریف فرما (دائیں طرف سے) پروفیسر کتاؤکا، پروفیسر رئیس علوی اور پروفیسر سوزوکی شاگردوں کے ہمراہ۔ عقب میں پروفیسر باٹیتا کنز ے ہیں۔

محمد رئیس علوی اور جاپانی شاعری

ڈاکٹر محمد امین

محمد رئیس علوی جاپانی زبان جانتے ہیں۔ جاپانی تہذیب و ثقافت کا گہرا شعور رکھتے ہیں اور شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ ترجمہ بہت مشکل کام ہے۔ خاص طور پر شاعری کا ترجمہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ محمد رئیس علوی کے تراجم پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ انہیں شاعری کے ترجمے پر خاص طور پر مہارت حاصل ہے انہوں نے جاپانی شاعری کے منظوم تراجم کئے ہیں، ان کے تراجم میں مجھے صرف ''گل صد برگ'' کی دوسری جلد میسر آئی ہے۔ گل صد برگ جاپان کی کلاسیکی شاعری کا منظوم ترجمہ ہے۔ منیوشو جاپان کی قدیم کلاسیکی شاعری کا مجموعہ ہے۔ یہ واکا شاعری تنکاؤں پر مشتمل ہے جن کی تعداد ساڑھے چار ہزار ہے، ان تنکاؤں میں ساکیموری نواوتا یعنی ساکیموری کے گیت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ تنکا پانچ مصرعوں میں پانچ سات پانچ سات سات سلیبلز پر مشتمل ہوتی ہے۔ جو جاپانی میں دو سطروں میں لکھی جاتی ہے ''گل صد برگ'' میں شامل تنکاؤں کا موضوع انسانی رشتے ہیں۔ محبت اور ہجر و وصال اس کے موضوعات ہیں۔ ان تنکاؤں مین بیوی، شوہر اور والدین سے محبت کا اظہار ملتا ہے، انسانی رشتوں کے حوالے سے تنکا کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے۔ محمد رئیس علوی کے ان منظوم تراجم نے مجھے بہت متاثر کیا ہے، شاعری کا منظوم ترجمہ مشکل ہوتا ہے لیکن اس ترجمے پر تخلیق کا گمان گزرتا ہے، ترجمہ رواں اور سلیس زبان میں ہے۔ یہ ترجمہ رئیس علوی کی دونوں زبانوں پر مہارت کی دلیل ہے۔ ''گل صد برگ'' پڑھنے سے اردو کے پیکر میں جاپانی شعری حسیت کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ ترجمے کو تخلیق بنانا تب ہی

ممکن ہے جب مترجم اسے اپنی واردات بنا کر پیش کرے۔ ایسا ترجمہ تخلیق کا لطف دیتا ہے:

اس تنکا کی روانی دیکھئے:

صف بستہ گھوڑوں کی پلٹن

اوچی کا میدان

اوس سے بھیگی گھاس کو روندیں، سبزہ ہے حیران

شاہ شکار سویرے کھیلیں، چمکیں تیر کمان

آج یہی تصویر دکھائے مجھ کو میرا دھیان

انسانی رشتوں کے حوالے سے چند تنکائیں دیکھیں:

والدین سے محبت

پہاڑوں اور الجھے راستوں پر
سفر کرتے ہوئے سوچا تھا میں نے
بھلا دوں گا انہیں اک روز شاید
مگر ماں باپ کو اپنے بھلاؤں
میں کہتا ہوں مرے بس میں نہیں ہے

بیوی سے محبت

اک تھوڑی سی فرصت پاؤں

بیوی کی تصویر بناؤں

کیسے سفر پر خالی جاؤں

دیکھوں اس کو رستہ چلتے

یاد کروں اور جی بہلاؤں

شوہر سے فراق کا ذکر دیکھئے

ہائے سفر پر ہیں سرتاج
گھاس کا تکیہ ان کا مساج

میں تنہا اور بند ازار
گھر بے بس خالی دیوار
سونا کیا ہے اک آزار

انسانی رشتوں کے علاوہ دیگر موضوعات بھی تنکا میں پڑھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً تنکا میں فنا کا مضمون دیکھئے:

زندگی تماشا ہے
دو گھڑی کا میلہ ہے
بس فنا کا رستہ ہے
جب سے میں نے سمجھا ہے
دل بہت فسردہ ہے

وقت کے حوالے سے ایک مضمون دیکھئے:

چمکتا چاند دیکھا تھا خزاں کا
گزشتہ سال بھی ہم ساتھ تھے جب
چراغ خانہ لیکن گل ہوا ہے
تو پھر اب وقت کا یہ فرسودہ ملبہ
ہمارے بیچ بڑھتا جا رہا ہے

''گل صد برگ'' کی ان تنکاؤں کو ٹوکیو یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر سوزوکی تاکیشی

نے مرتب کیا، اور تعارف بھی لکھا ہے، محمد رئیس علوی نے ''تنکا اور غزل'' کے عنوان سے مضمون لکھا ہے جو اس کتاب میں شامل ہے، جس میں تنکا اور غزل میں موضوعاتی مماثلت تلاش کی گئی ہے اور مثالیں بھی دی گئی ہیں یہ مضمون اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے، کلیم الدین احمد نے ریزہ خیالی کے حوالے سے ہائیکو اور غزل میں مماثلت بیان کی ہے۔ رئیس علوی نے تنکا اور غزل میں مماثلت تلاش کی ہے۔ یہ مضمون رئیس علوی کی تنقیدی بصیرت کو ظاہر کرتا ہے۔ کتاب میں جاپانی عبارت بھی موجود ہے۔ ایک صفحے پر جاپانی میں تنکا درج ہے۔ اور اس کے سامنے اس کا اردو میں منظوم ترجمہ درج ہے۔ کتاب کے آخر میں شعراء کا تعارف اور تنکاؤں کا شعری پس منظر بھی درج کیا گیا ہے۔ اس تعارف اور شعری پس منظر سے ان تنکاؤں کی تقسیم میں مدد ملتی ہے محمد رئیس علوی نے اس ترجمے سے اردو کی بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ یہ کتاب جاپانی شاعری کے تعارف کا بڑا ذریعہ ہے، ترجمہ تمام شعری محاسن کے ساتھ تخلیق نو کا لطف دیتا ہے۔

محمد رئیس علوی صرف جاپانی شاعری کے مترجم ہی نہیں بلکہ انہوں نے طبعزاد تنکا اور ہائیکو بھی لکھے ہیں اور وہاں بھی جاپانی ٹریٹ منٹ کا خصوصی خیال رکھا ہے، انہوں نے اردو ہائیکو میں جاپان کو بھی موضوع بنایا ہے۔ یوں انہوں نے اردو میں جاپانی ثقافت پیش کی ہے۔ جاپانی موسم بہار کے آغاز میں باغوں کی سیر کو نکلتے ہیں اور چیری کے درختوں کے نیچے مے خواری کی محفل سجاتے ہیں اس حوالے سے یہ ہائیکو پڑھئے:

آئی بادِ بہاری / فرش بچھے پر یار ملے / چیری، مے خواری

لوگوں کا اک سیل / گل بینی کا موسم ہے / اوا سے نو کا باغ

جاپانی پرندوں اور جانوروں کو بھی ہائیکو کا موضوع بناتے ہیں اس حوالے سے رئیس

علوی کا یہ ہائیکو پڑھیں:

چڑیوں کو دیکھیں / بلی کے چھوٹے بچے / کیسی حیرت سے

فنا کا عمل جاری ہے، اس مضمون کو کس خوبصورتی سے اس ہائیکو میں سمویا ہے:۔

شاخ سے پھول گرا / پیڑ کے نیچے چپکے سے / خاک کا ڈھیر ہنسا

اس ہائیکو میں تضاد سے کیا معنویت پیدا کی گئی ہے:۔

جمبو جیٹ کا پر / بیٹھی ہے پیلے رنگ کی / اک تتلی اس پر

محمد رئیس علوی کی اردو ہائیکو نگاری میں جاپانی حسیت جھلکتی ہے۔ ان کی ہائیکو نگاری کا اپنا انداز ہے۔ اس انداز کی ممتاز خصوصیت ہائیکویت جاذب نظر ہے۔ رئیس علوی نے خوبصورت اسلوب کے ساتھ اچھے ہائیکو تخلیق کیے ہیں۔

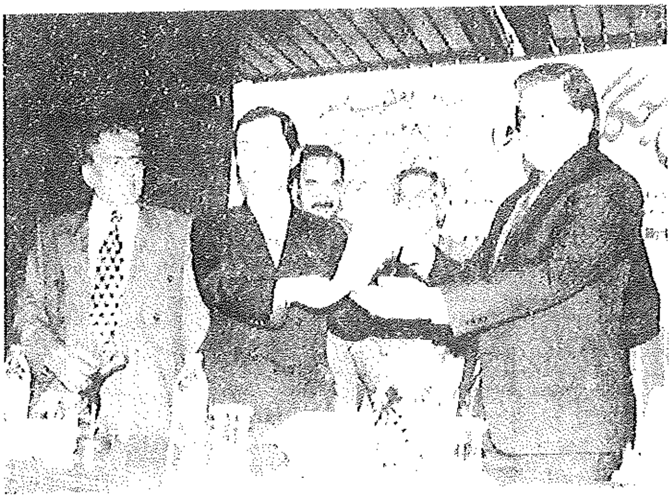

''صحرا میں جگنو'' کی تقریب رونمائی (۲۸ فروری ۲۰۰۱ء) کے موقع پر کتاب کی رونمائی کی جارہی ہے۔ پاکستانی سفارت خانے کے ناظم الامور، سفیر جاپان اور صاحب کتاب یعقوب تصور کے ہمراہ

رئیس بھائی اور منیوشو

جمال نقوی

آج کے ایڈیشنل سیکریٹری تعلیمات پروفیسر محمد رئیس علوی، گزرے ہوئے کل میں اپنے زمانہ طالب علمی سے ہی ہم سب دوستوں کے رئیس بھائی تھے۔ بھائی کا یہ خطاب ان کی بردبار شخصیت، ان کی خلوص ومحبت سے سرشار گفتگو اور سب کی مدد کرنے کے جذبے نے ان کو دلوایا تھا۔ آج تقریباً چالیس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی ان کی شخصیت کے اس پرکشش رنگ میں ذرا بھی کمی نہیں آئی بلکہ کچھ اضافہ ہی ہوا ہے۔

رئیس بھائی کی شخصیت کے اس روپ نے انہیں عملی زندگی کے ہر قدم پر کامیابیوں سے ہمکنار کیا۔ بحیثیت طالب علم اسکول سے کالج اور کالج سے یونیورسٹی تک پہنچنے کے لئے انہوں نے لکھنؤ سے کراچی تک کا سفر اختیار کیا اور بحیثیت استاد فروغ علم کے لئے انہوں نے کراچی سے جاپان تک مسافت طے کی۔ یہ سفر ان کے لئے وسیلۂ ظفر ثابت ہوا اور انہیں اس سے نیک نامی اور اعتراف عظمت کی وہ دولت حاصل ہوئی جس سے علمی دنیا میں ان کو دوام ملا۔

تعلیمی شعبے سے جاپان دوسرے بہت سے لوگ بھی جاتے رہے ہیں لیکن انہوں نے تسلسل کے ساتھ اتنا بڑا کام نہیں کیا جتنا رئیس بھائی نے انجام دیا ہے اور ہنوز کر رہے ہیں۔ شاید جاپانیوں کی دوررس نظر تھی جس نے رئیس بھائی میں وہ جوہر تلاش کر لیا تھا جو انہیں جاپان کے کلاسیکی ادب ''منیوشو'' کو اردو زبان میں منتقل کرنے کے لئے چاہئے تھا۔

محمد رئیس علوی کی ترجمہ کردہ منیوشو کی ایک سو ایک نظموں کے انتخاب ''گلِ صد

برگ'' کی پہلی جلد کے پیش لفظ میں اس کتاب کے ناشر ''دائمد ولائف فاؤنڈیشن'' کے ڈائریکٹر، چیئرمین ماسوموراتاکیشی ادارے کے بنیادی مقاصد کے بارے میں یوں آگاہی دیتے ہیں۔

''فاؤنڈیشن کے تحت.... ہم ایشیائی علاقوں کی عمدہ ادبی تصانیف کو جاپانی زبان میں منتقل کروارہے ہیں۔ پاکستان ادب کے سلسلے میں ہم اب تک احمد ندیم قاسمی اور سعادت حسن منٹو کے تراجم تین جلدوں میں پیش کر چکے ہیں۔ حال ہی میں ہم نے ایشیائی زبانوں میں جاپانی ادبیات کا تعارف کرانے کا کام بھی شروع کیا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی کے طور پر ہم جاپان کی روح کا سرچشمہ ''منیوشو'' کے منتخب اردو تراجم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں''۔ اس طرح عالمی امن کے اس کارخیر میں رئیس بھائی کا نام بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جو صدیوں کی جاپانی کلاسیکی شاعری ''منیوشو'' کی بیس جلدوں میں سے منتخب کلام کے تراجم گلِ صد برگ کے نام سے تسلسل کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اب تک اس کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں ہر جلد میں تقریباً ایک سو نظمیں شامل ہیں۔ اس غزل کے کلاسیکی لہجے، تہذیب کے رچاؤ اور خارج و باطن کی بھرپور عکاسی کے ساتھ رئیس علوی نے جاپانی طرزِ سخن کے شاہکار تخلیق کیے ہیں۔

منیوشو جاپانی کلاسیکی شاعری کی کلیات اور جاپانی تاریخ ادب میں ایک انمول ثقافتی ورثہ بھی ہے۔ اس کی بیس جلدوں میں تقریباً چار ہزار پانچ سو منتخب واکا (گیت) ہیں جن میں مجموعی طور پر سب سے زیادہ تنکا نظمیں ہیں۔ یہ پانچویں صدی سے آٹھویں صدی کے جاپانی شعراء کا انتخاب ہے۔ اس طرح یہ جاپان کا قدیم ترین شعری مجموعہ ہے۔ منیوشو کے شعراء کی فہرست میں شہنشاہِ ملک سے لے کر نامعلوم افراد تک شامل ہیں۔ منیوشو کو مرتب کرنے کا کام مختلف ادوار میں ہوتا رہا اور ۷۵۹ء کے بعد اوتو موتویا کا موچی نے اسے

آخری شکل دی۔ منیوشو کی تدوین میں اس کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ منیوشو کی بیسویں جلد میں شامل آخری تنکا، یکم جنوری ۷۵۹ء کو خودیا کاموچی کی تحریر کردہ ہے۔

''تنکا'' ایک ایسی جاپانی صنفِ سخن ہے جو موضوع، لغت، طرزِ اظہار اور شرائط کے اعتبار سے آفاقی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں شاعر زندگی کے ہر موضوع پر گفتگو کر سکتا ہے۔ تنکا آزاد خیالی اور فکری وسعتوں کا نمونہ ہے۔ فطرت سے جاپانیوں کی تہذیبی وابستگی کے ساتھ ساتھ تنکا آدمی و معاشرت اور آدمی و آدمی کے رشتے کی علامت ہے۔ منیوشو کی تنکاؤں میں سادگی اور فطرت نوائی کے حوالے سے ہمیں نظیر اکبرآبادی، اسمٰعیل میرٹھی اور اقبال کی کئی نظموں کی یاد آتی ہے جن میں فطرت پرستی نہیں ہے بلکہ فطرت برستی ہے۔ اس طرح میری رائے میں منیوشو کی عشقیہ نظمیں اردو میں غزل کا رنگ یاد دلاتی ہیں مثلاً یہ تنکا دیکھئے:

تڑپ ملنے کی دل میں
در پہ نظریں
چونک اٹھتی ہوں
کہ جیسے تم ہو یوں
بادِ خزاں چلمن ہلاتی ہے

(گل چینی)

ہیئت کے اعتبار سے ''تنکا'' پانچ مصرعوں پر مشتمل ایک ایسی نظم ہے جس کے پہلے مصرعے میں پانچ، دوسرے میں سات، تیسرے میں پانچ، چوتھے میں سات اور پانچویں میں بھی سات صوتی آہنگ ہوتے ہیں، تنکا ایک پابند نظم ہے مگر اس میں موضوع کی کوئی قید نہیں۔ تنکا کو منیوشو میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ منیوشو کے دور میں جاپانی گیت

واکا میں مقبول ترین صنفِ نظم بن چکی تھی۔ آگے چل کر تنکا پڑھنے کا رواج برابر بڑھتا گیا اور اس نے صنفِ نظم کی حیثیت سے بھی سب سے زیادہ ترقی کی۔

منیوشو کے دور میں قدیم جاپانی تہذیب انتہائی عروج و کمال تک پہنچ گئی تھی۔ ادھر اس دور میں تنکا میں بھی ایک تبدیلی پیدا ہونے لگی۔ شروع شروع میں تنکا کی زبان سیدھی، سادہ اور زوردار تھی، آہستہ آہستہ وہ نازک، حسین اور جذباتی بنتی گئی۔

(صدیوں کی شاعری)

منیوشو کی تمام تخلیقات اپنے موضوع کے اعتبار سے تین اقسام پر مشتمل ہیں پہلی مختلف گیت، دوسری اظہارِ محبت اور تیسری اظہارِ غم یعنی ایک قسم کا مرثیہ، چند نمونے پیش خدمت ہیں:

زمانہ سردیوں کا\
بارشوں نے\
پھر ستایا ہے\
اداسی دل پہ چھائی\
آسماں پہ ابر چھایا ہے

دھان کٹائی کرتے کرتے\
ہاتھ میں گئے\
آج کی شب بھی چھوٹے صاحب\
ہاتھ کو میرے ہاتھ میں لے کر\
آہ بھریں گے\
خوش نصیبی ان کی دیکھا چاہیے

بال چاندی ہو گئے
گھر پر رہے
عندلیب خانہ کے صبح و مسا
سن رہے ہیں چہچہے

چاندی سے بڑھ کر
سونے سے بڑھ کر
سب سے زیادہ
گنجینہ ہائے گوہر سے بڑھ کر
بچے ہمارے پیارے پیارے

انوکھی خوبصورت
جنگلی بیلوں کی یہ لڑیاں
پہاڑوں پر انہیں اس طرح تنہا
چھوڑ کر جائیں؟
یہ مرجھائیں!

وہ صبح نہ جانے کیسی تھی
جب سرحد کی رکھوالی کو

میں گھر سے نکلا درد لیے
وہ روتی تھی دروازے پر
فرقت کی آہِ سرد لیے

''گل صد برگ'' کے آخری صفحات میں مذکورہ مقامات کا جغرافیہ، شعراء کا مختصر ترین تعارف اور شعری پس منظر بھی دیا گیا ہے جس سے ان نظموں کے ابلاغ میں آسانی ہوگی۔ ساتھ ہی جاپانی زبان جاننے والوں کے لئے ان نظموں کو جاپانی رسم الخط میں بھی شائع کیا گیا ہے جس سے ترجمے کی خوبی بھی واضح ہو جائے گی۔

طبع زاد شاعری کے مجموعے ''صدا ابھرتی ہے'' کے علاوہ جاپانی شاعر سئی گیو کی ایک سو ایک تنکا نظموں کے تراجم کو چاند کے چار رنگ کے نام سے پیش کرنے کے بعد پروفیسر محمد رئیس علوی کی جاپانی زبان کی لازوال نظموں کے تراجم کی یہ کتابیں جو ''گل صد برگ'' کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہو رہی ہیں عالمی سطح پر ادبی دنیا میں ان کے نام کو روشن رکھیں گی۔ ایک تازہ خبر کے مطابق رئیس علوی کی تصنیف ''اردو غزل کی کہانی'' ریکو امّ موتو کے جاپانی ترجمے کے ساتھ ٹوکیو سے منظر عام پر آ رہی ہے۔ یہ جاپانی اور اردو کو قریب تر لانے کی ان کی ایک اور کوشش ہے، جس کے لئے وہ لائق مبارک باد ہیں۔

حیدرآباد (سندھ) کا معیاری ادبی جریدہ
سہ ماہی انشاء
مدیر اعلیٰ: صفدر علی خان
C/429۔ یونٹ نمبر ۱۰۔ لطیف آباد، حیدرآباد۔
71800 پاکستان

صدا ابھرتی ہے.....مہکتے گلابوں کی شاعری

مشہود حسن رضوی

شاعری جذبات و احساسات کا نام ہی نہیں بلکہ بدلتی رتوں اور سفر و حضر کے حالات و واقعات کا اظہار بھی ہے اور رئیس علوی اس اظہار میں کامیاب ہیں۔ وہ بدلتی رتوں کی کہانی بھی سناتے ہیں اور زمانے کی گردش کے پیچ و خم بھی سلجھاتے ہیں۔ ان کی تمنائیں جوان ہیں اسی لئے وہ کھلے پھولوں کی خوشبو سے لطف اندوز ہونے کے لئے گلشن گلشن پھرتے ہیں اور اس صحرا نوردی میں مہکتی ہواؤں سے سرگوشیاں بھی کرتے ہیں۔

محمد رئیس علوی کی شاعری مہکتے گلابوں کی شاعری ہے۔ وہ رنگ اور خوشبوؤں کے ساتھ آنے والے دنوں کے حسین خواب بھی دیکھتے ہیں اور یہ خواب کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جب آنکھوں میں جھانکتے ہیں تو ایک جہانِ معانی اس میں پوشیدہ ہوتا ہے اور پھر وہ یہ کہتے ملتے ہیں کہ

یہ درد آنکھیں ، قرار آنکھیں
یہ بحر آنکھیں ، کنار آنکھیں

یہ دل ہے شعلہ ، شرار آنکھیں
یہ جاں ہے صحرا ، غبار آنکھیں

چمن بدن ہے ، بہار آنکھیں
یہ میری آنکھیں ، تمہاری آنکھیں

رئیس علوی کی نظموں کے موضوعات فکری نوعیت کے تو نہیں تاہم تازہ کاری اور سچے جذبوں کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ ہے کہ سرمئی شاموں اور بہتی چاندنی کے دل فریب نظاروں کی تصویر کشی میں وہ عصرِ حاضر کے حالات سے بے خبر بھی نہیں، تبھی ویت نام کے اتحاد اور فلسطینی مجاہدوں کے عزم کو بھرپور الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں اور اسی طرح چند تاریخی شخصیات کے حوالے سے لکھی گئی ان کی نظمیں بھی قابلِ ذکر ہیں۔

رئیس علوی کی غزلیں، غمِ جاناں اور غمِ دوراں کی حکایات کہتی ہیں۔ ان کے تخیل کی پرواز بلند اور ہجر و وصال کی داستان غم انگیز بھی ہے اور وحشت اثر بھی۔ وہ محبوب کی دوری کا اظہار بھی کرتے ہیں اور اس کی بے نیازی پر اداس بھی ہو جاتے ہیں یعنی ان کی شاعری میں وفا اور جفا کے رشتوں کے ٹوٹنے اور جڑنے کا ذکر بھی ہے اور حسن اور اہلِ حسن کا تذکرہ بھی، وہ کہتے ہیں:

پھر غم کی اونچی لہر اٹھی
اک کشتی پھر طوفان میں ہے

آئے تھے لاکھ مہرباں دل نہ مگر بہل سکا
ایک نگاہِ ناز تھی اس نے ہی حوصلہ دیا

حیات کیا ہے، زمانہ ہے کیا، محبت کیا
کئی سوال مجھے عمر رایگاں سے ملے

درد سے ہے نہ کچھ دوا سے ہے
دل کا موسم یونہی سدا سے ہے

رئیس علوی کی غزل کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کہتے ہیں کہ ''رئیس کی شاعری صاحبِ نسب شاعری ہے'' اور اس کے لئے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ''غزل ہمارا نسب نامہ ہے اور رئیس کی غزل اب اس نسب نامے میں ایک نئے رکن کی آمد کی تحریر ہے''۔ حقیقت میں غزل اعجاز اور ایجاز کا فن ہے اور رئیس علوی اس فن میں کامیاب ہیں۔ ان کی کامیابی کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری لکھنوی تہذیب اور عصری شعور کی آئینہ دار ہے۔ وہ نگاہِ غنچہ وگل کی بے قراری کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں اور جب محبوب کا چہرہ دل میں نقش ہو جاتا ہے تو پھر رئیس علوی اسے اپنی متاع سمجھ لیتے ہیں اور صاحبِ دیوان ہونے کا خوبصورت دعویٰ کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ہوا ہے نقش دل میں اس کا چہرہ
رئیس اب صاحب دیوان ہوا ہے

اور کبھی ہجر کی رات اور محبوب کے انتظار کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں:

گزر گئی شبِ ہجراں سو حال کیسا ہے
ستارۂ سحری اب ملال کیسا ہے

رئیس علوی کی شاعری کا ایک موضوع سفر ہے۔ وہ سفر کا تصور بھرپور انداز میں پیش کرتے ہیں اور کبھی کبھی یہ سفر اور اس کی یادیں عذابِ جاں بھی بن جاتی ہیں، تبھی تو رئیس علوی کہتے ہیں:

ختم سفر پہ بن گئی یادِ سفر عذاب
اب بھی کھڑا ہوں چہرۂ گردِ سفر لئے

دراصل سفر وسیلۂ ظفر بھی ہوتا ہے اور خلقِ خدا سے رشتہ جوڑنے کا ایک سچا اور پرخلوص

عمل بھی، سفر کسی ایک سمت یا ایک مقصد کے لئے نہیں ہوتا بلکہ لامحدود اور مختلف النوع مقاصد کے زیرِ سایہ ہوتا ہے اور جب یہ مقاصد پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ پاتے تو پھر شاعر برملا کہتا ہے کہ:

خضر جو تھے وہ راستہ بھولے
جو مسافر تھے وہ سفر سے گئے

اس نے کہا سفر ہو مسلسل تو کیا گلہ
میں نے کہا کہ دوریٔ منزل عذاب ہے

رئیس علوی کی شاعری کا ایک اہم رکن ''ہائیکو نگاری'' ہے، اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کا شمار اولین ہائیکو نگاروں میں ہوتا ہے۔ فطری مناظر کے اظہار میں ان کا قلم رواں اور سادگی و شگفتگی کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ گلشن، پیڑ اور گلاب کے موسم کا جہاں ذکر کرتے ہیں وہاں چاہت اور محبت کی دھیمی آنچ بھی پائی جاتی ہے۔ کیا خوبصورت اظہار کرتے ہیں، ملاحظہ کیجئے:

آنکھوں میں آنسو
دس برس کے بعد اچانک
تم کو دیکھا تھا

آئی بادِ بہاری
فرش بچھے پھر یار ملے
چیری، مے خواری

رئیس علوی نے جس جس صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے ڈوب کر کی ہے اور خوب کی ہے اور اس کا حق ادا کر دیا ہے ان کی دلکش اور دل پذیر شاعری ہمیشہ اردو ادب کو جگمگاتی رہے گی۔

رئیس علوی کا شعری آہنگ.....تجزیاتی مطالعہ

عشرت رومانی

جدید غزلیہ شاعری صحیح معنوں میں علامت سازی اور الفاظ کے برتنے کا وہ وسیلہ ہے جو شاعر کو ذکر و فکر سے قریب تر کرتا ہے اس طرح شعری حسیت سے قربت پیدا ہوتی ہے ذات کے حصاروں سے پرے ہو کر دیکھنے سے دنیا خوش رنگ نظر آتی ہے جس کے لئے داخلی جذبے سنگ بنیاد کا کام کرتے ہیں۔ اس کے بعد جو غزل سامنے آتی ہے وہ تعقل اور جذبوں کی آمیزہ ہوتی ہے۔ جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے، زندگی کے حقائق تو یکساں رہے ہیں لیکن ہر دور میں احساس و ادراک جداگانہ رہے ہیں۔ برصغیر کی آزادی کے بعد اردو غزل ایک نئے موڑ پر آئی جس پر خوں ریز مناظر اور جدیدیت کے سبب شعراء نے نئے رجحانات کے تحت کلاسیکیت سے دوری اختیار کرنے کی کوشش کی۔ اس کا بنیادی سبب یہی تھا کہ وہ ذہنی انتشار سے دوچار تھے اور ان کے دل میں اپنی ذات کی واپسی کے خدشات تھے۔ پھر بھی شعراء نے بصارت اور بصیرت کے ذریعہ غزلیہ شاعری کے لئے امکانات کے نئے دریچے کھول دیئے جس میں ناصر کاظمی نے اہم کردار ادا کیا۔ عہدِ حاضر کے شاعر جناب رئیس علوی پختہ کار اور تراشیدہ شعور کے مالک ہیں۔ ان کی شاعری میں غیر معمولی حسن اور اثر آفرینی ہے۔ وہ جذبۂ کرب اور جذبۂ نشاط کو خیال انگیز تجربوں میں ڈھال کر سبک، لطیف اور ملائم کیفیات کے ذریعے اپنے اشعار میں جشن آگیں تصورات منعکس کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں نیا منظر نامہ ملتا ہے۔ انہوں نے نئی ترکیبوں اور استعاروں کو ترنم اور موسیقیت کے پیکر میں ڈھال دیا ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ رنگوں، ہواؤں اور گھٹاؤں کی زبان کیا ہے۔ انہوں نے روایتی غزلوں سے الگ ہو کر اپنی غزلیہ شاعری کو نئے

تخلیقی سانچوں میں ڈھال کر نئے پیکر تراشے ہیں، اظہار و ترسیل کے وسیلوں سے گزرتے ہوئے عصری آشوب کو دانشورانہ شعور سے پہچانا ہے۔ ان کا شعری سفر بیسویں صدی سے شروع ہو کر اب اکیسویں صدی میں نئی فضائیں تلاش کر رہا ہے جس کے لئے وہ اختراعی عمل کو تیز کر رہے ہیں۔

بیت گیا تمام دن ایک تھکی فضا کے ساتھ
شام ہوئی تو یادِ دل آئی خنک ہوا کے ساتھ

بھیگی ہے رات یوں کبھی اس کی حیا کے آب سے
پھیل رہی تھی چاندنی کھلتی ہوئی قبا کے ساتھ

گردشِ آسماں گئی تیرگی جہاں گئی
تیرے قریب آ کے فرقت جسم و جاں گئی

زلفِ سیاہ تا کمر ساتھ رہا وہ رات بھر
صبح سفید آ گئی ساعتِ مہرباں گئی

رئیس علوی نے متحرک شعری پیکروں کو اپنی غزلیہ شاعری کا اسلوب بنا دیا ہے۔ ان کے یہاں جو شعری در و بست ہے اس میں وارداتِ عشق کی کشمکش بھی ہے جس سے کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ اس طرح ان کی غزلوں پر باریک بینی کی جو نقاب پڑی رہتی ہے وہی ان کی پہچان ہے:

وحشت ہو کہ جاں اور نہ جاناں نظر آئے
گیسو نظر آئیں نہ گریباں نظر آئے

بھیگی ہوئی آ جائے صبا رنگ چمن سے
مہکا ہوا ہر گوشۂ زنداں سا نظر آئے

دیکھنا اس کو تو پھر راہ گزر میں رہنا
اس سے ملنا مگر ایسے کہ سفر میں رہنا

شاید آ جائے مسافر کوئی بھولا بھٹکا
دل یہ کہتا ہے سر شام سے گھر میں رہنا

کیا رنگ ترے لب کے صبا ہوتے رہیں گے
پھر گل کے گرفتار رہا ہوتے رہیں گے

وہ میرا گریباں ہو کہ خوشبوئے دمِ یار
قسمت میں لکھا ہے کہ ہوا ہوتے رہیں گے

رئیس علوی کی نظموں میں نئے احساسات اور بدلتی ہوئی صورتوں کی عکاسی ملتی ہے جس کا سبب عہد حاضر کی بھاگتی دوڑتی زندگی اور تیز گامی کے موجودات ہیں انہوں نے تنہائی اور خودنگری کے احساس کو زندگی کے الجھاؤ، ابہام اور دھندلے پن سے الگ کرنے کی کوشش کی ہے شعلہ آسا تخیل اور ریاضِ فن کے ذریعہ انہوں نے تہذیبی بحران پر قابو پایا ہے جس سے ان کے یہاں جمالیاتی نادرہ کاری نظر آتی ہے۔ ان کی نظم "پریشان ہونا" کے اور دوسری نظم "خواب" میں یہ کیفیات نظر آتی ہیں:

یہ دھواں خواب سی یادوں کے دھندلکوں کی طرح
آتشیں سرخ دہکتے ہوئے ماحول سے دور

کہیں یخ بستہ، خنک، سرد فضاؤں کی تلاش
رہی بھیگے ہوئے کچھ تیرگی گھولے ہوئے دن
وہی نمناک ہواؤں سے سفر کے انداز
یوں بدمست سے بہکے ہوئے ذرّوں کا ہجوم
وسعتِ دہر میں کھو جائے گا دھیرے دھیرے

شعر وادب کا نیا منظر نامہ پرآشوب خیال اور فکر کے بے قرار دھاروں پر مشتمل ہے۔ اس طرح انسانی جذبے مسائل اور روحانی خوشی یہ سب کچھ ایک مرکز پر سمٹ کر شاعری کے نئے منظر نامے کی تشکیل میں مصروف ہیں۔ بیسویں صدی میں مجید امجد نے جس منظر نامے کی تشکیل میں حصہ لیا تھا آج ہمارے سامنے ہے جس کا آہنگ اب اکیسویں صدی کے تناظر میں نئی معنویت اور مفاہیم پیش کر رہا ہے، اردو نظموں کو نئے راستے مل رہے ہیں آج کا شاعر اپنی شعری راہوں کو مرحلوں اور رنگوں کا آئینہ خانہ بنا رہا ہے۔ وہ اپنے جذبوں اور اپنی نظر کو نئے آئینے دکھا رہا ہے۔ رئیس علوی کی نظمیہ شاعری میں ان کی ذات کے نمو کے ساتھ مختلف النوع اور رنگارنگ تجربے شامل ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ کس طرح شعریت کی تکمیل کے عنصر کی شناخت کی جا سکتی ہے، اس کے بعد اس کی شمولیت کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے اور کن مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان کی نظموں میں پیکر نگاری اور حسّی تلازمات کی تجسیم کا عمل ملتا ہے۔ شعری جمالیات کے لئے عصری آگہی اور تخلیقی عمل کے ذریعہ اسے ایک وسیع تناظر میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح تاریخی اور تہذیبی شعور کے محرکات نظر آسکتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کی نظم ''تنہا تنہا'' سے اقتباس:

جب شہرِ خزاں میں آئے ہو کچھ دور چلو تنہا تنہا
کچھ دیر سنو سناٹے میں کوئی نوحہ پیلے پتوں کا

کہیں تیز ہوا کے ہاتھوں سے گری سہمی سوکھی شاخوں سے
کچھ گرد سجاؤ پلکوں پہ ذرا سر پہ بٹھاؤ ذرّوں کو

ایک اور نظم ہے ''قیدِ حیات یا عمر قید'' جس میں رنگ خوشبو، اداسی، عہد خزاں اور موسم گل کی منظر کشی نے حقیقت اور خیال کی آمیزش سے شاعر کی بیرون بینی اور دروں بینی کی شمولیت کے مناظر پیش کیے ہیں۔ یہی بات ان کی نظم ''آنکھیں'' میں ہے جس میں انہوں نے آنکھوں کی بدلتی ہوئی کیفیات کو ہیئتی تجربوں جدت طرازیوں اور علامتی تفسیروں کے تناظر میں پیش کیا ہے۔ صحیح معنوں میں رئیس علوی کی شاعری نمایاں تاریخی آواز ہے جس کی بازگشت کا سبب ان کی حسّی بیداری اور متحرک شعری سوچ ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ رئیس علوی کی شاعری کائنات کی تفہیم کرتے ہوئے اکیسویں صدی میں داخل ہو کر اپنے وجود اور اعلیٰ انسانی اقدار کو فروغ دے رہی ہے۔ وہ لامحدود اور محدود کے عمل سے گزر کر کائنات کے سر بستہ راز تلاش کر رہی ہے۔ میں پر امید ہوں کہ یہ تلاش بے کار نہیں ثابت ہوگی بلکہ اردو شاعری کو نئے افق عطا کرے گی جس سے ذات اور ثقافت دونوں کے تقاضے پورے ہوں گے۔

☆☆☆

منفرد شاعرہ
عائشہ نگہت
کا پہلا مجموعہ کلام
''مجھے پہچان لینا''
ناشر: مکتبہ نیا دور (کراچی)
تقسیم کار: ویلکم بک پوسٹ
اُردو بازار فضلی اینڈ سنز کراچی

بیرون ملک مقیم کسی پاکستانی ہائیکو نگار کا
پہلا مجموعہ ہائیکو
''صحرا میں جگنو''
منظر عام پر آچکا ہے
شاعر: یعقوب تصور
ناشر: ایوانِ ادب۔ F-4 ناظم آباد
کراچی ۷۴۶۰۰۔ پاکستان

پروفیسر محمد رئیس علوی سے ایک ملاقات

انٹرویو: سہیل احمد صدیقی

سوال: کیا آپ کے خیال میں شعر گوئی کی صلاحیت وہبی (God-gifted) ہوتی ہے، کسبی (Earned) ہوتی ہے یا بین بین معاملہ ہے؟۔

جواب: بہت شکریہ سہیل صدیقی صاحب آپ کے اس سوال کا۔ جہاں تک شعر گوئی کا معاملہ ہے یہ خداداد صلاحیت ہے مگر بات صرف شعر گوئی تک محدود نہیں ہے لکھنؤ میں تو سبزی بیچنے اور پھیری لگانے والے بھی شعر کہتے تھے۔ کئی مشہور شاعر ایسے تھے کہ جن کی تعلیمی استعداد بہت کم یا نہ ہونے کے برابر تھی۔ مگر اسی شعر کہنے کی صلاحیت کو ذرا میر تقی میر، خواجہ میر درد، غالب اور اقبال کے حوالے سے دیکھئے تو یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ علم و آگہی و عرفان کے ساتھ شعر گوئی کی نوعیت بدل جاتی ہے گو شاعر کی عظمت اور تاریخ میں طویل عمری کے لئے صرف شعر کہنے کی صلاحیت کافی نہیں ہے بلکہ شعر کی توانائی اور اس کی معنوی وسعتوں کے لئے دانش، حکمت، علوم وفنون اور زبان کا حصول و آگہی لازم ہیں، جیسے تصویریں بنانا کئی لوگ جانتے ہیں مگر مصور تو کوئی کوئی ہوتا ہے۔

سوال: موجودہ اردو شاعری بحیثیت مجموعی کس نہج پر گامزن ہے؟ کیا یہ ایک ترقی یافتہ زبان کی شاعری ہے؟

جواب: جی ہاں اردو شاعری ایک ترقی یافتہ زبان کی شاعر ہے۔ مگر یاد رہے کہ ساتھ ساتھ یہ ایک ترقی پذیر معاشرے کی شاعری ہے۔ آپ ادب کو معاشرے سے الگ نہ دیکھئے۔ جب بادشاہ، نواب، صوفی، سردار شعر کہتے تھے اور اس کی قدر کرتے تھے تو میر، غالب اور اقبال جیسے شعرا کی پیدائش کے امکانات تھے۔ اب معاشرے کا طبقۂ اولیٰ دولت جمع

کرنے کی ہوس میں مبتلا ہے تو زبان وادب کا ذوق طنز ہے۔ ''اردو میڈیم'' اور'' پیلا اسکول''
کی اصطلاحیں غریب، فرسودہ بے صلاحیت و بے کمال اور غیر ترقی یافتہ ہونے کا اشارہ ہیں۔
آپ اردو شاعری سے کیا توقع وابستہ کر سکتے ہیں۔ اردو شاعر جو کچھ لکھ رہا ہے وہ بہت اہم
ہے۔ کیونکہ اس سے ہمارے معاشرے کی بدحالی اور اخلاقی بے حسی کا اندازہ کیا جائے گا۔
تاریخ میں کیا بچتا ہے، یہ مستقبل کی بات ہے، کون بچتا ہے اور کیا بچتا ہے لیکن یہ ایک حقیقت
ہے کہ سماجی علوم نے دنیا میں ایک نیا تفرقہ پیدا کیا ہے، یا نئے نئے تفرقے پیدا کئے ہیں اس
لئے اب آخری تجزیے میں دنیا کے فلسفی یہ دیکھ رہے ہیں کہ شاعری مستقبل کا مذہب (راستہ)
ہے انسان کو انسان سے ملانے کے لئے اور انسان کی فطرت خود اپنی ذات سے پہچان کے
لئے اور زندگی اور دوسروں کے طرز حیات سے محبت اور احترام وقدر دانی کے لئے شاعری کا
وسیلہ ہی بہتر اور معتبر ہے۔ شعرا کو بھی اسی حوالے سے اپنے مذہب کی تفہیم کرنا چاہئے۔

سوال: لوگ جاپان سے درآمدہ اصناف کا تقابل اردو اصناف یا علاقائی اصناف سخن
سے کرتے ہیں، کیا آپ کے خیال میں یہ رویہ درست ہے؟

جواب: دنیا کی اصناف کا آپس میں موازنہ کیا جا سکتا ہے لیکن کسی ایک کو کم وبیش کرنے
کے لئے نہیں بلکہ انسانی شعور اور تہذیب کی تفہیم وتوسیع کے لئے ایسا کیا جانا چاہئے۔ میں نے
بھی دکا/ تنکا کا موازنہ اردو غزل سے کیا ہے، آپ نے میرے مضامین دیکھے ہیں۔ ان میں یہی
بات پیش نظر رکھی گئی ہے۔ دیکھئے جاپانی ثقافت کی اساس بدھ ازم، شنتو ازم اور کنفیوشس کے
بنیادی اصولوں کی تاریخ کے سفر میں تجرید وترکیب کے (جغرافیائی پس منظر میں) مرحلوں
سے گزرنے کے ساتھ عملی شائستگی کے شاہانہ / درباری آداب پر تسلسل کے ساتھ قائم ہے۔
ہمارے ہاں بہادر شاہ ظفر کے ساتھ اودھ کی سلطنت کے زوال نے تاریخ کا دھارا یکسر ایک
مختلف رخ پر موڑ دیا تھا۔ جس کا تجزیہ ابھی تک نہیں ہو سکا۔ بس غالب کا ایک شعر سن لیجئے:

اب ہم ہیں اور متاع یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

سوال: کیا آپ اس بیان سے متفق ہیں ''ہائیک منی غزل'' ہے اور جو غزل کہہ سکتا ہے ،ہائیک بھی کہہ سکتا ہے''؟

جواب: سہیل صاحب! ہائیک بظاہر ایک نہایت آسان صنفِ سخن معلوم ہوتی ہے۔ ہر آدمی لکھ سکتا ہے۔ لازمی نہیں ہے کہ شاعر بھی ہو کیونکہ اس میں ردیف وقافیہ کی پابندی بھی ضروری نہیں ہے۔ مگر کیا ہائیک وزن کی پابند ہے؟ نہیں۔ خیال کی پابند ہے یہ بھی نہیں۔ بحر بھی نہیں۔ جی ہاں منظر، موسم اور عکس پر نگاہ رکھیے۔ مگر بات نگاہ تک ختم نہیں ہوتی۔ یہ تہذیب کی بات ہے۔ زندگی گزارنے کے رویے کی بات ہے۔ طرز حیات کی بات ہے۔ ڈوبنے کی بات ہے ڈوبنے کے بعد شرابور ہو کر نکلنے کی بات ہے اور پھر ڈوب جانے کی بات ہے۔ اور یہی کیفیت غزل کے لئے بھی شرط ہے۔ ہم لوگوں نے ہائیک کو غزل کے شعر کے طور پر اپنایا ہے۔ تو اسے آپ منی غزل یا غزل نما بھی کہہ سکتے ہیں۔

سوال: کیا آپ کے خیال میں ہائیک اور رنکا کے ساتھ ہم پاکستانوں نے مناسب سلوک کیا ہے۔ یہ اصناف ''اردوانے'' یا ''مقامی'' بنانے کا شعوری عمل کیسا ہے؟

جواب: ہم پاکستانیوں نے ہائیک اور رنکا کے ساتھ نہایت محبت اور احترام کا سلوک کیا ہے تاریخ کے سفر میں کئی بار ایسا ہوا ہے کہ اپنانے کی خواہش میں لوگ لفظوں، روایتوں یا اصناف کو اپنا ہی جیسا بنا دیتے ہیں۔ یہی بین الاقوامی انٹرایکشن ہے۔ ادبی سطح پر یہ ایک بہت بڑا عمل ہے جب اصناف ایک ملک اور تہذیب سے دوسرے ملک اور تہذیب میں اپنی جگہ بناتی ہیں۔ جیسا دیس ویسا بھیس والی ضرب المثل یہاں بھی صادق آتی ہے۔ گویا روم میں ویسے ہی رہنا چاہئے جیسے رومن رہتے ہیں۔ ہائیک میں معاملہ ذرا بھیس سے گہرا ہے۔

پنڈت نہرو نے اپنی مشہور کتاب ''ڈسکوری آف انڈیا'' میں یہ کہا ہے کہ ہندوستان کو کئی بار شکست ہوئی اور کئی فاتحوں نے ہندوستان پر حکومت کی۔ مگر ہندوستان کی روح کو کوئی بھی شکست نہ دے سکا بلکہ روحِ ہند نے آنے والوں کے دلوں کو فتح کر لیا۔ میرا خیال ہے کہ یہی حال چین اور جاپان کا بھی ہے۔ بڑی تہذیبیں بڑے بڑے جھٹکے بھی جذب کر لیتی ہیں اور بڑی اصناف بھی اپنی شناخت قائم رکھتی ہیں۔

سوال: آپ کے خیال میں فطرت نگاری سے انحراف کے بعد ہائیک کو ہائیک کہنا بجا ہے؟ کیا اس طرح دیگر سہ مصرعی اصناف سے اس کی جدا شناخت ختم نہیں ہو جاتی؟

جواب: آپ کا سوال بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ فطرت نگاری سے انحراف کے بعد ہائیک کو ہائیک نہیں کہا جا سکتا انفرادی طور پر کوئی ہائیک مختلف ہو سکتی ہے مگر مجموعی طور پر ایسی ہائیک کا تصور محال ہے جو فطرت کے ساز سے بے نیاز ہو۔ سین ریو لکھنے والے بہت ہیں اور اس صنف میں ایسا ممکن ہے کیونکہ ہیئت اور ماخذ کے اعتبار سے ہائیک اور اس میں فرق نہیں کیا جاتا ہمارے ہاں ہائیک کے بنیادی لوازمات سے اگر انحراف کیا جائے گا تو پھر یہ سہ مصرعی یا تین سطری نظم ہو جاتی ہے۔ ہائیک کی اصل روح یا مزہ ختم ہو جاتا ہے، اور پھر دیگر سہ مصرعی یا تین سطری نظموں کی طرح یہ ایک غیر جاپانی نظم بن جاتی ہے۔ آپ اس کو کوئی بھی نام دیجئے۔ علاقائی، ملکی یا غیر ملکی۔

سوال: کیا تنکا اور نظم مسلسل یا مسلسل غزل میں کوئی مماثلت تلاش کرنا درست ہے؟

جواب: تنکا اصل میں غزل کے قطعہ بند اشعار کی طرح ایک نظم ہے، گویا قطعہ کہہ لیجئے۔ خیال ایک ہے۔ لیکن کسی خیال کی پابندی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر نوکا تانو اوکیمی کی ایک تنکا دیکھئے:

تڑپ ملنے کی دل میں

در پہ نظریں
چونک اٹھتی ہوں
کہ جیسے تم ہو یوں
بادِ خزاں چلمن ہلاتی ہے

دیکھیے اردو غزل کے کئی شعر اور قطعات آپ کے ذہن میں آتے ہوں گے۔ لیکن ایک نکتے کی وضاحت ضروری ہے کہ تنکا اپنے موضوعات میں آزاد ہے مگر ہمیشہ حقیقت سے وابستگی قائم رکھتی ہے۔ ماورائے حقیقت تنکا کا موضوع نہیں ہے۔

سوال: کیا بغیر جاپانی جانے جاپانی اصنافِ سخن سے پورا انصاف کیا جا سکتا ہے؟

جواب: یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کے کئی جواب ہیں۔ اگر پورا انصاف سے آپ کی مراد جاپانی عناصر کی تفہیم سے ہے تو پورا انصاف مشکل ہے۔ لیکن اگر انگریزی کے ترجمے کو شاعر اپنے تخیل کے ساتھ آگے بڑھاتا ہے تو جس طرح انگریزی ترجمے میں کچھ انگریزی عنصر بغیر جانے بوجھے شامل ہوئے تھے اسی طرح اردو تخلیق میں کوئی پاکستانی یا ہندوستانی عنصر در آتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی زبان جانے بنا اس کے ادبی اصناف پر کام کیا جائے تو یقیناً ہو سکتا ہے مگر اس میں مقامی عناصر کے ان گوشوں کو پُر کرنا لازمی ہو جاتا ہے جن تک زبان نہ جاننے کی بناء پر ہماری رسائی نہیں ہوتی ہے۔

سوال: کیا آپ کے خیال میں تنقیدی شعور کے بغیر بھی کوئی شاعر بہتر اشعار تخلیق کر سکتا ہے۔ نیز کوئی نقاد اپنے کسب کی بناء پر عمدہ شاعر ہو سکتا ہے؟

جواب: آپ اسے یوں دیکھئے کہ تخلیقی صلاحیت رکھنے والا شاعر ہے، اسے شعر کہنے کے لئے کسی اور سہارے یا صلاحیت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ معاشرے سے باہر رہ کر بھی شعر کہہ سکتا ہے افلاطون نے تو اسے معاشرے سے باہر ہی رکھا تھا۔ ہاں اسے اپنی شاعری

کے مختلف پہلوؤں اور زاویوں کو کم و بیش کرنے کے لئے علوم و فنون سے آ گہی کی ضرورت ہوگی۔ اس کے بالکل برعکس تنقید نگار معاشرے سے پوری طرح وابستہ ہوتا ہے۔ وہ علوم و فنون سے آ گہی کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اسے زندگی کے بارے میں اپنا ایک رویہ بھی رکھنا ہوتا ہے۔ وہ بڑی حد تک ایک نظریاتی آدمی ہوتا ہے۔ وہ معاشرے کے اجتماعی شعور اور اپنے نظریاتی عمل کی روشنی میں فن پارے کو پرکھتا ہے۔ اس طرح جو بات شاعر کے لئے لازمی ہے وہ نقاد کے لئے ثانوی ہے اور جو چیز نقاد کے لئے لازمی ہے وہ شاعر کے لئے ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔

سوال: عروض سے واقفیت کسی شاعر کے لئے لازم ہے، بہتر ہے یا غیر ضروری؟

جواب: عروض کے علم سے آ گہی کے بغیر بھی شعر ہونا چاہئے۔ اس سے شعر کہنے کا لطف بڑھ جاتا ہے اور تفہیم میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن صرف عروض کی پابندی کے ساتھ شعر لکھنا اچھے شعر کی ضمانت نہیں ہے۔

سوال: واکا یا تنکا کو تراجم کی شکل میں کس نے یہاں متعارف کروایا نیز پہلی طبع زاد اردو تنکا کس نے تخلیق کی؟

جواب: دیکھئے کئی لوگ ہوں گے۔ مگر اپنی بات کرتے ہوئے حجاب ہوتا ہے۔ جاپانی دیوانوں، تنکا کے دیوانوں کا منظوم ترجمہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں نے ہی کیا میرے چار دیوان تراجم کے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ جبکہ تین دیوان تو جاپان ہی میں شائع ہوئے ہیں اور ہندوستان و پاکستان میں جاپانی سفارت خانوں نے وہاں اور یہاں اردو کے شاعروں اور ادیبوں میں یہ مجموعے تحفتاً دیئے ہیں۔ ان پر ہندوستان میں تبصرے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ جناب جگن ناتھ آزاد نے مجھے خط لکھ کر ان ترجموں کو اصل کے مطابق قرار دیا ہے۔ بڑی تعریف کی ہے۔

سوال: ہمارے اردو نصاب میں اعلیٰ ثانوی سطح تک ہائیک، تنکا یا دیگر درآمدہ اصناف

کوکوئی مقام نہیں دیا گیا۔اس بارے میں اظہار خیال فرمائیں؟

جواب: یہ ذرا ابھی قبل از وقت ہے۔لیکن امکان ہے کہ اعلیٰ ثانوی سطح کے بجائے پوسٹ گریجویٹ کی سطح پر ان کو نصاب میں شامل کیا جائے اور ہماری جامعات کو ایسا کرنا چاہئے۔

سوال: جاپان میں قیام اور تدریس کے تجربے کی روشنی میں پاکستان کے تعلیمی نظام کی اصلاح کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ ایک بہت طویل جواب والا سوال ہے۔ہم مستقل اور برابر اپنے تضادات کو بڑھاتے جارہے ہیں۔ایک طرف ہم ثانوی سطح تک تعلیم مفت کرنے کی بات کرتے ہیں اور دوسرے طرف پرائیویٹ اسکولوں کی فیس کی رقوم بڑھتی جارہی ہیں،کون غریب اپنے بچے کو وہاں بھیج سکتا ہے۔ہمارے بچے زبان کے استعمال سے ناواقف ہیں وہ نہ اردو میں اور نہ اپنی مادری زبان یا صوبائی زبان میں صحیح طور پر لکھ سکتے ہیں،قوت اظہار کی کمی ہے۔مگر ہم انگریزی لازمی کرنے جارہے ہیں،انگریزی استاد میسر نہیں ہے۔دیکھئے کیا ہوتا ہے۔جب تک کوئی آزادانہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا تعلیم کا مسئلہ موجود رہے گا۔جاپان میں تعلیم اس لئے دی جاتی ہے کہ بچہ جاپان میں جاپان کے لئے کام کرے گا۔ہمارا تصور یہ ہے کہ بچہ پاکستان سے باہر کسی دیگر ملک کے لئے کام کرے گا۔

سوال: آپ نے تنکا کے نہایت عمدہ تراجم کئے مگر کیا آپ نے ۵۔۷۔۷۔۵صوتی ارکان کی پابندی غیر ضروری سمجھی یا کوئی اور وجہ تھی کہ پابند منظوم تراجم بھی اس پابندی سے عاری ہیں؟

دیکھئے ترجمے میں روحِ اصل اور لطفِ شعری کا ہونا میں ضروری سمجھتا ہوں۔چونکہ اردو میں صوتی ارکان کی پابندی ایک ایجاد ہے اور تخلیقی عمل میں اس کی پابندی کرنا نسبتاً آسان ہے مگر اچھے ترجمے کے لئے یہ ایک مشکل کام ہے اور ترجیحات کا ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں اس لئے میں نے ایسا کیا۔اب اگر ہمارے ترجمے سے قاری جاپانی شاعری کا لطف

حاصل کرتا ہے اور اس کی نزاکتوں کی تفہیم کرتا ہے تو جاپانی شاعری یا تنکا کے قاری کی تعداد میں توسیع ہو رہی ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ اردو میں پڑھنے کے لئے ایک نیا زاویہ اور لطف کے لئے ایک نیا چمن میں نے بنایا ہے۔

سوال: ہمارے یہاں جاپانی اصناف کا چلن تو بہت ہو گیا ہے مگر کیا وجہ ہے کہ آپ سمیت مشاہیر اس ضمن میں تنقید نگاری سے گریزاں ہیں؟

جواب: شاید ایسا نہیں ہے۔ میں نے جاپانی ادب کے بارے میں متعدد مضامین لکھے ہیں اور جاپانی معاشرے کی تلاش وہاں کے ادب و شعر کے حوالے سے بھی کی ہے لیکن مجموعی طور پر آپ کی بات درست ہے مگر آپ کو اس کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں۔ جہاں میں نے شاعر اور تنقید نگار کے منصب کا موازنہ کیا ہے۔

سوال: ذرائع ابلاغ نے اردو زبان میں انگریزی اور مقامی زبانوں کا انتہائی غیر ضروری اختلاط رائج کر کے بگاڑ کا جو راستہ نکالا، اس کا منطقی انجام کیا ہوگا؟

جواب: یہ معاشرتی اختلاط کا ایک تاریخی عمل ہے۔ جب مختلف معاشرے یا ان کے افراد ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں اور ملتے ہیں تو زبانوں میں نئے الفاظ اسی طرح داخل ہوتے ہیں جیسے بازار میں نئی مصنوعات، اور نئی مصنوعات بھی اپنا کوئی نام لے کر آتی ہیں۔ ان کا نام وہی ہوگا جو ان کے موجد نے دیا ہوگا۔ اور موجد نے یہ نام اسی زبان میں دیا ہوگا جو اس کے معاشرے کی زبان ہے۔ تو بھائی سہیل صاحب جو معاشرہ ایجاد کرے گا، اس کی زبان چلے گی مگر آپ کی بات یوں بالکل درست ہے کہ کئی بار اپنی زبان کے خوبصورت الفاظ موجود ہونے کے باوجود ایک خاص طبقہ کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ استعمال کر کے اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ افسوس ہے۔ مگر ان دنوں کمپیوٹر اور آئی ٹی کی ہنگامہ آرائی اور فتوحات نے انگریزی زبان کا دائرہ اثر بہت بڑھا دیا ہے۔ یہ بات میں نے ہارورڈ یونیورسٹی میں ایک پروفیسر سے بھی کہی تو انہوں نے امریکیوں اور انگریزی بولنے

والوں کے لئے اس کے نقصانات بھی بتائے۔ کہ ان کے لئے اب یہ مشکل ہوگئی ہے کہ وہ دوسری زبانوں کا ادب اصل زبان میں پڑھنے سے محروم ہو گئے ہیں، کیونکہ بیشتر تحریریں اب ترجمے کی صورت میں دستیاب ہیں، غور کیجئے۔

سوال: کیا ہمارے شاعروں کی گروہ بندی اور مخصوص ذاتی مفادات کے تحت کچھ چہروں کی ہر جگہ پذیرائی، ادب کے لئے نقصان دہ نہیں؟

جواب: نازک سوال ہے۔ مگر یہ ادب کے لئے نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ ادب کا مورخ اس طرح نہیں لکھتا ہے کہ کس نے کتنے مشاعرے گائے یا پڑھے، کس نے اس کو شاعری کا دیوتا کہا اور کتنے گلوکاروں نے اس کے شعر گائے، ریڈیو یا ٹی وی پر دہرائے، ہائے ہائے، یہ خودفریبی ہے۔ کتنے بڑے بڑے لوگ ل احمد، سجاد انصاری، جذبی، سیماب اکبرآبادی، وامق جونپوری اور کتنے نام گنوائے جائیں تاریخ کے اوراق میں ڈھونڈنے سے ملتے ہیں نوجوانوں کو تو شاید نام بھی نہ معلوم ہوں کہ یہ کون تھے۔ بات یہ ہے کہ شاعروں اور ادیبوں کو ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ نہ ایسا کرنا چاہئے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا۔ معاشرہ اگر ایسا تو شاعر بھی ایسا ہی ہوگا۔ حالانکہ بقول ابوالکلام تخلیق کاروں کو عام معاشرتی رویوں سے تھوڑا بلند ہونا چاہئے۔

سوال: کیا ہماری تنقید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اور معیاری ہے؟

جواب: آپ چاہتے ہیں کہ میں نقادوں پر تنقید کروں، چلئے یہی سہی۔ عرض ہے کہ فی الحال اردو میں تنقید کا دور ابھی ابھی گزر گیا ہے۔ پاکستان میں ابھی نئی تنقید کے لئے گنجائش بہت ہے۔ لیکن اس کے لئے نئی تفہیم بھی ضروری ہے، اس وقت زندگی کا کوئی نظریہ نہیں ہے۔ کوئی اجتماعی فکر نہیں ہے کوئی تحریک نہیں ہے کوئی اجتماعی معاشی، تہذیبی، سیاسی، اخلاقی یا علمی جدوجہد نہیں ہے اصولوں کی کوئی جنگ نہیں ہے۔ ماضی اور مستقبل میں کوئی اشتراک نہیں ہے۔ ایسے میں تنقید کیسے لکھی جائے گی۔ زندگی کے بارے میں جب تک آپ کا کوئی مستحکم رویہ نہیں ہوگا، تنقید کے امکانات موہوم رہیں گے۔ اس لئے تنقید کے بارے میں:

ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

سوال: ہائیکو اور تنکا کے فروغ کے لئے کیا اقدامات کرنا ضروری ہیں؟

جواب: سہیل صاحب! یہ سوال ایسا ہے کہ آپ خود اس کے عملی جواب میں شریک ہیں آپ کا رسالہ ہائیکو انٹرنیشنل خوبصورت تحریروں کا مجموعہ اور تہذیبوں کا سنگم ہے اس رسالے نے ایک بہت بڑی کمی پوری کی ہے اور اب تک ہائیکو کے فروغ کے لئے جو کچھ ہوتا رہا ہے اب اس کو اس رسالے کے ذریعے دستاویز کی شکل مل رہی ہے۔ تنکا کی طرف کم لوگوں نے توجہ کی ہے۔ حالانکہ یہ غزل کے مزاج اور اس کی آزادروی سے نسبتاً زیادہ قریب ہے میرا ارادہ ہے کہ تنکا کے مشاعرے شروع کئے جائیں اور اس کی ماہیت وصفات کے بارے میں لیکچرز کا آغاز کیا جائے۔ آپ مدیر کی حیثیت سے اس سلسلے میں بات کریں گے تو لوگ ضرور توجہ دیں گے۔ یہ ایک ادبی اور علمی معاملہ ہے اس میں کسی کو اٹھانے یا گرانے کی بات نہیں ہونی چاہئے نہ کسی کو ایسا خیال کرنا چاہئے۔ ہماری مدد یا تعاون کی اگر ضرورت ہے تو وہ حاضر ہے۔

سوال: آپ اپنی مسلسل مصروفیات میں شعر گوئی اور ادبی تقاریب کے لئے کس طرح وقت نکال پاتے ہیں؟

جواب: بھائی! یہ ایک بہت مشکل سوال کیا ہے آپ نے! آپ جانتے ہیں کہ اگر ہم کہیں سے وقت کاٹ سکتے ہیں تو وہ سونے یا آرام کے اوقات سے کاٹتے ہیں۔ بس ہماری نیند پوری نہیں ہوتی ہے۔ جاپان میں تو لوگ سفر کے دوران میں ریل میں کھڑے کھڑے بھی سو جاتے ہیں نیند پوری کرنے کے لئے، تو ہم نے بھی انہیں سے سیکھا ہے۔ خیر ایک شعر ہے:

کاش اس عمرِ گریزاں سے الگ
کوئی لمحہ مرا اپنا ہوتا

بس جناب تو ہم اسی لمحے کی تلاش میں جاگتے ہیں۔ یہ شعر گوئی اور ادبی تقاریب اسی تلاش کا حصہ ہیں۔

''رئیس بھائی اور میں''

شیخ سلیم احمد

سلیم احمد اور وضاحت نسیم کی جوڑی واقعی ''اللہ ملائی جوڑی'' ہے۔ دونوں شاعر، فطرت کے دلدادہ، جاپانی کے ماہر معلم اور جاپانی کے بہترین پاکستانی طالب علم کی حیثیت سے دورۂ جاپان کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں، ۴۶ سالہ سلیم کے اعتبار سے مکینیکل انجینئر ہیں، اپنی شاعری کو چھپوانے کی بجائے چھپاتے چلے آرہے تھے کہ ہم نے بصد اصرار ان کی ہائیکو شائع کر دیں۔ رئیس علوی سے ان کے دیرینہ مراسم اور شعر و ادب پر ان کی نظر غائر کے پیش نظر یہ مضمون ان سے انٹرویو کی شکل میں ریکارڈ کر کے حاصل کیا گیا (مدیر)

۱۹۸۲ء میں پہلی مرتبہ مجھے جاپانی زبان کے بہترین منتخب طالب علم کی حیثیت سے جاپان جانے کا اتفاق ہوا، پھر میں اپنے کاروبار کے سلسلے میں ۱۹۸۷ء میں وہاں گیا۔ ان دنوں میری اہلیہ وضاحت نسیم وہاں جاپان کی تدریس کی تربیت حاصل کر رہی تھیں۔ اس دوران میں بقر عید آ گئی۔ ٹوکیو میں ایک ہوٹل ہے۔ امپریل ہوٹل کہلاتا ہے اسے جاپانی میں تئے کوکو (Tei koko) کہتے ہیں، یہ امپریل پیلس کے بالکل سامنے ہے، اس کے ایک بڑے ہال میں نماز عید کا اہتمام تھا، میں اور وضاحت وہاں نماز میں شریک ہوئے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد دو پاکستانی حضرات سے ملاقات ہوئی، مقصود غزنوی اور رئیس علوی.... مقصود صاحب بھی ہمارے بڑے اچھے دوست ہیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ہمیں گلے لگایا، ان کے ساتھ رئیس بھائی کھڑے تھے، مقصود صاحب نے ہمارا تعارف کروایا۔ پہلی ہی ملاقات میں مجھے رئیس بھائی کی جو خصوصیت متاثر کن گی، وہ ان کی بذلہ سنجی تھی کیونکہ میں بھی ذرا شوخ اور چلبلا واقع ہوا ہوں۔ اس طرح میری ان سے بے تکلفی جلد ہو

گئی، رئیس بھائی سے متعدد ملاقاتیں ہوئیں، میں نے انہیں بہت خلیق، ذی علم اور مہربان پایا۔ جب آدمی کسی کے قریب رہتا ہے تو اس کے کچھ سیکھنے کا بھی موقع ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب رہائش کا مسئلہ درپیش ہوا تو میں نے یہ طے کیا کہ رئیس بھائی کے گھر کے قریب مکان لیں تاکہ ان سے بھی راہ ورسم رہے۔ چنانچہ پڑوسی بنے تو یہ ہونے لگا کہ کبھی شام کو انہوں نے فون کرلیا، ہم ان کے یہاں چلے گئے تو کبھی ہم نے فون کر کے انہیں بلالیا۔

جب میں عارضی طور پر کاروبار کے امکانات کا جائزہ لینے جاپان میں مقیم ہوا اور کچھ دن رئیس بھائی کے ساتھ گزار کر مستقل بندوبست کے لئے کراچی واپس آنے لگا تو آخری دن میں نے رئیس بھائی سے کہا: آج کھانا میں پکاؤں گا۔ اس سے پہلے رئیس بھائی خود ہی پکایا کرتے تھے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ میں نے اس سے پہلے کبھی کھانا نہیں پکایا تھا مگر چونکہ میں اپنی والدہ کے بہت قریب رہا اور ان کو گھریلو کام کاج کرتے بغور دیکھا کرتا تھا تو بس اس وقت کی یادیں کام آگئیں اور میں نے آلو قیمہ پکایا۔ رئیس بھائی کو کھانا بہت پسند آیا اور کہنے لگے "استاد تم بڑے ہوشیار ہو.... جب کراچی جارہے ہو تو آخری دن کھانا پکایا تاکہ روز روز کھانا نہ پکانا پڑے"۔

۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۷ء تک میرا جاپان میں قیام رہا، میں زیادہ عرصے اکیلے رہا پھر وضاحت بھی کچھ عرصے کے لئے وہاں آئیں۔ میں نے وہاں قیام کے دوران میں رئیس بھائی کو جاپانی شاعری کے تراجم پر کام کرتے دیکھا۔ کبھی وہ ہمارے گھر آئے تو کھانے کے بعد بھی یہی شغل جاری رہتا، کراچی واپسی کے بعد، میں نے دیکھا کہ رئیس بھائی مشاعروں کے شاعر نہیں ہیں، ان کی شاعری بھی دوسروں سے خاصی مختلف نظر آتی ہے۔ تمام شاعروں کا انداز کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہوتا ہے مگر ان کا معاملہ جدا ہے، ان کا انداز جدا ہے کیونکہ سماجی معاملات پر ان کی نظر بہت گہری ہے، وہ کسی بھی محفل میں ہوں،

کچھ نہ کچھ مشاہدہ اور اس سے نتیجہ اخذ کرتے نظر آئیں گے۔ ان کا مشاہدہ بہت گہرا ہے ایک بہت حیرت انگیز بات آپ کو بتاؤں، میرا بیٹا عمر بہت چھوٹا تھا ابھی اسے ٹھیک سے بولنا بھی نہیں آیا تھا کہ رئیس بھائی ایک دن میرے گھر آئے اور جاتے وقت مجھ سے عجیب بات کہی، کہنے لگے کہ جب کبھی اس سے کوئی بات کرو، ایک مرتبہ ری کنفرم (Re-Confirm) کر لیا کرو کہ آیا اس کی سمجھ میں آ گئی۔ جب وہ ذرا بڑا ہوا تو ہم نے ان کی بات آزمائی، واقعی وہ ایسا ہی ہے۔ اصل میں وہ سارا وقت اپنے کچھ تصورات میں مگن رہتا ہے۔ نجانے کیا Imaginations رہتے ہیں اس کے ذہن میں (اس لئے وہ فوری طور پر Response نہیں دیتا)، ہمیں اس کی بات کو Re-Confirm کرنا پڑتا ہے۔

ہر انسان کی کوئی نہ کوئی پسند ناپسند ہوتی ہے، رئیس بھائی کی بھی ہوں گی، مگر ان کی شخصیت کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ سب سے ایک طرح ملتے ہیں اور آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ کوئی ان کے نزدیک پسندیدہ ہے کون ناپسندیدہ یہ واقعی بڑی عجیب خصوصیت ہے ان کی۔ اس کے پیچھے میں سمجھتا ہوں، یہ وجہ ہے کہ رئیس بھائی نہیں چاہتے کہ ان کے کسی جملے سے کسی کی دل آزاری ہو، اس لئے اگر وہ کسی سے کبھی کوئی ایسی بات کہتے بھی ہیں تو اس انداز میں کہتے ہیں کہ اسے محسوس ہی نہیں ہوتا۔ آج بہت سے لوگ جاپانی شاعری کے حوالے سے اولیت کے دعوے کرتے ہیں مگر جب کوئی صنف کسی ذریعہ ابلاغ سے کسی دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ اپنی اصل سے قدرے مختلف ہو جاتی ہے۔ رئیس بھائی کی ہائیک یا تنکا اس اعتبار سے دوسروں کی نسبت بہتر اور متاثر کن ہے کہ حقیقت سے قریب ہے۔ انہوں نے وہاں ماحول میں رہ کر ان اصناف کا بھرپور مطالعہ کیا اور ان پر طبع آزمائی کی۔ دوسرے شعراء کے یہاں وہ Purity نظر نہیں آتی جو رئیس بھائی کے کلام میں ہے کیونکہ وہ اس ماحول اور تہذیب سے بخوبی آشنا ہیں جس سے یہ کلام متعلق ہے۔ ایک

مرتبہ جاپان میں قیام کے دوران میں رئیس بھائی نے مجھے فون کر کے گھر بلایا کہ دیکھو چاند رات میں برف باری کا منظر کیسا بھلا لگتا ہے۔ واقعی وہ دل کش اور منفرد منظر دیکھ کر ہم محو ہو گئے تو جو شخص فطرت سے ایسا لطف اٹھا سکتا ہو وہی فطرت نگاری کر سکتا ہے۔

جہاں تک تراجم کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ترجمہ وہی عمدہ ہے جو اصل متن سے قریب ہو۔ رئیس بھائی نے تراجم اسی عمدگی سے کئے کہ ان کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے اپنی طرف سے کسی تصنع آمیز آرائش کی کوشش نہیں کی۔ اس طرح انہوں نے اصل کی روح برقرار رکھی۔ ان کا تعلق لکھنو سے ہے جہاں کیفیات کی شاعری ہوا کرتی تھی تو ہائیک کے ضمن میں بھی ان کا پس منظر اور ماحول کا تجربہ دو آتشہ کا کام کر گیا۔ انہوں نے جو بھی کام کیا خواہ تراجم یا طبع زاد، اس میں یہ عنصر نمایاں ہے۔ ان کی غزل میں بھی کلاسیکی رنگ کے ساتھ ساتھ فطرت نگاری موجود ہے۔ آج کل جو ہائیک لکھی جا رہی ہے، اس میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے قافیوں کا اہتمام کیا گیا ہے جو اصل ضابطے کے خلاف ہے تو رئیس بھائی کی شاعری میں ہمیں یہ بات نمایاں نظر نہیں آتی۔ اب آپ ہائیک کی بجائے اسے کچھ بھی کہہ لیں کیونکہ ایمانداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس صنف کو اسی طرح برتا جائے جیسی وہ اصل میں ہے۔ رئیس بھائی کی ہائیک دیگر شعراء کی طرح غزل کے رنگ میں رنگی ہوئی نہیں، بلکہ خالص ہائیک ہے۔ میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہائیک کی ہیئت اور اس سے متعلق امور کی آگہی عام کرنے کے لئے ان جیسے آدمی سے رجوع کیا جائے کیونکہ وہ اس سے بہت زیادہ متعلق ہیں۔

رئیس بھائی میں یہ منفرد خوبی بھی ہے کہ آپ کبھی کسی کام کے لئے ان کے پاس جائیں خواہ ان کا کیسا ہی حرج، نقصان کیوں نہ ہو، وہ کسی طرح آپ پر ظاہر نہیں ہونے دیں گے۔ یہ ان کی بڑائی ہے دوسرے کو کسی طرح تکلیف نہیں دیتے۔ ان کی گفتگو اور

معاملات کے اپنے قرینے ہیں جن سے وہ ہر جگہ نمایاں اور جدا نظر آتے ہیں۔ جاپان میں تدریس کے ضمن میں ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اردو بطور خشک مضمون تدریس کے فرسودہ تصور کا خاتمہ کیا، طلبہ کو بھرپور توجہ دی اور اپنی شخصیت کو پوری طرح تدریس میں شامل کرکے وہاں کا ماحول یکسر بدل ڈالا۔ انہیں آج بھی ٹوکیو کی جامعہ برائے زبان ہائے خارجی کا سب سے مقبول استاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ بحیثیت اعلیٰ سرکاری افسران جیسے مخلص اور دیانت دار لوگ پاکستان کی ترقی کے ضامن ہیں، بلکہ اگر ترقی کی بنیاد یہ اخلاص ہو تو معیار رئیس علوی ہوں گے۔ میں ذاتی تجربے کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ نہ صرف اچھے شاعر، اچھے معلم اور قابل تقلید افسر ہیں بلکہ بحیثیت شوہر اور باپ بھی بہت اچھے ہیں۔ ان کے بچے ان سے بہت دوستانہ مراسم کے سبب، قریب ہیں اور خاص طور پر ان کے بیٹے کی شخصیت تو بالکل ان کا پرتو ہے۔

Prof. Alvi and Mrs. Bilquis Alvi(Japan)

’’لکھنؤ والے پاکستانی رئیس‘‘

جاوید دانش (کینیڈا)

شی بویا اسٹیشن پر بہت بھیڑ تھی، سات بجنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے، میں جنوبی گیٹ سے باہر نکلا، بڑا رونق افروز علاقہ تھا۔ انور کے بتائے ہوئے ٹھکانے یعنی کتے کا مجسمہ میں ڈھونڈ رہا تھا مگر نظر نہ آیا۔ اسٹین کے باہر کوئی دو سو جوان لڑکے اور لڑکیاں کسی کے منتظر تھے، میں نے اسٹیشن کا دوبارہ چکر لگایا مگر مجسمہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ میں نے ایک بھلے مانس سے جھجکتے ہوئے پوچھا، اس نے کہا وہ جو بھیڑ کھڑی ہے وہیں درمیان میں مجسمہ ہے۔ اندازہ ہوا میری طرح بھانت بھانت کی بولی بولنے والے ہر عمر رنگ اور نسل کے لوگ کسی سے ملاقات کرنے یہاں جمع تھے اور اس بھیڑ میں بیچارے کتے کا مجسمہ چھپ گیا تھا میں بھی وہیں ایک طرف کھڑا ہو گیا پھر خیال آیا ایسی کیا خاص بات ہے اس مجسمے کی کہ ایک عالم مجمع لگائے ہے، قریب کھڑی ایک جاپانی محترمہ سے میں نے معاملہ پوچھ ہی لیا۔ (مجھے عام طور پر جاپانی مرد شرمیلے لگے اس کے برعکس عورتیں کچھ زیادہ اسمارٹ اور فرینک نظر آئیں)۔

ایک عجیب کہانی سننے کو ملی...... اس کتے کا نام ’’ہاچیکو‘‘ تھا۔ ۱۹۲۰ء میں اس علاقے کے پروفیسر کا یہ وفادار کتا تھا۔ ہر صبح وہ اپنے مالک کو چھوڑنے اور ہر شام مالک کو لینے اسٹیشن آتا تھا۔ ۱۹۲۵ء میں اچانک مالک کی وفات کے بعد بھی ’’ہاچیکو‘‘ اپنے مالک کے انتظار میں گیارہ سال تک صبح و شام اسٹیشن آتا رہا اس انتظار میں وہ مر گیا۔ اس کی یاد میں اسٹیشن کے صحن میں محبت اور وفاداری کا مجسمہ نسب کر دیا گیا۔ پروفیسر اور اس کا ہاچیکو اس دنیا میں نہیں رہے مگر وفاداری کی روایت کو زندہ رکھنے کے لئے یہ جگہ ایک مشہور میٹنگ پیلس بن گئی

صبح و شام سینکڑوں لوگ اس جگہ اپنے چاہنے والوں کا انتظار کرتے ہیں، مجھے کہانی اور روایات دونوں نے متاثر کیا۔

دور سے انور میاں ہاتھ ہلاتے چلے آرہے تھے، سات بج کر بیس منٹ ہو چلے تھے، رئیس صاحب نہیں آئے، انور سے آتے ہی دریافت کیا! میں نے انور کو دن بھر کی رپورٹ دی انور بھیڑ کو جانچنے لگے اور میں رئیس بھائی کے بارے میں سوچنے لگا، ان کا خیال آتے ہی وکیل اختر مرحوم کا ایک شعر بے ساختہ یاد آ گیا:

آپ سے جھک کر جو ملتا ہو گا
اس کا قد آپ سے اونچا ہو گا

رئیس بھائی کے ساتھ لکھنؤ کی یاد بھی آئی ساتھ ہی ان کا شعر ذہن میں مچلنے لگا:

یہ لکھنؤ یہ گل چاندنی کا گلشن ناز
یہ سر زمیں یہ حسینان مہ جبیں کا وطن

رئیس بھائی کی شاعری، ان کی شخصیت کی طرح قد آور اور محدود سے لامحدود کی طرف سفر کا اعلان ہے اور اس اعلان میں ان کی ذات کا آہنگ بھی شامل ہے۔ ''صدا ابھرتی ہے'' ابھی میں نے پوری طرح نہیں پڑھی، نہ ہی میرا اس پر تبصرہ کرنے کا ارادہ ہے مگر ورق گردانی میں جو اشعار نظروں سے گزرے دل پر نقش ہوتے چلے گئے۔ ان کے چند اشعار نہ صرف مجھے یاد رہ گئے تھے بلکہ میرے دل کی ترجمانی بھی کرتے تھے:

سوچتا ہوں کبھی دریا ہوتا
میں کسی شہر نہ ٹھہرا ہوتا
کاش اس عمر گریزاں سے الگ
کوئی لمحہ میرا اپنا ہوتا

انور کے کچھ کہنے پر میں رئیس بھائی کی جوگ بجوگ والی شاعری کے سحر سے باہر نکلا۔ لیجئے حضور خراماں خراماں نیوی بلو لانگ کوٹ میں چلے آ رہے تھے، گھڑی ٹھیک ساڑھے سات بجا رہی تھی۔ ایک مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ جناب نے آداب کیا، جاپانی کورنش بجالانا اور ساتھ ہی لکھنوی آداب، رئیس بھائی کا دوآ شفتہ انداز بڑے غضب کا تھا، انہیں دیکھ اور پرکھ کر جاپانی بھی سر دھنتے ہوں گے، پہلی ملاقات کے بعد ہی انور کا خیال تھا کہ رئیس بھائی کا آداب جاپانیوں کو لوٹ لیتا ہوگا۔

آپ لوگ دیر سے تو نہیں کھڑے۔ رئیس بھائی نے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا؟ آپ نے جگہ اتنی پر بہار بتائی کہ ہم لوگ یہاں ساری رات آپ کا انتظار کر سکتے تھے۔ انور نے چہکتے ہوئے کہا، حضور آپ دونوں کی عمر کا خیال رکھتے ہوئے میں نے جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ ہم سب ہنس پڑے۔ جیسے جیسے شام بھیگ رہی تھی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی مجھے پیرس کی شاہراہ شانزے لیزے اور نیویارک کی براڈوے یاد آ گئی۔ بھانت بھانت کے لوگ باگ، زرق برق ملبوسات میں فیشن پریڈ کرتے گزر رہے تھے۔ بجلی برساتی جاپانی بچیاں، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنے مجنوؤں کے ساتھ علاقے کو گل وگلزار بنائے کسی اچھے ریستوران یا شبینہ کلب کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔

''سمراٹ'' انڈین ریستوران رئیس بھائی کا محبوب نعمت کدہ تھا، خاص کر جب بلقیس بھابی کراچی میں ہوتی ہیں حضور کی حاضری یہاں بڑھ جاتی ہے۔ ریستوران کے پنجابی منیجر نے بڑھ کر ہم لوگوں کا استقبال کیا۔ اس نے ٹھیٹ پنجابی میں خیریت معلوم کی، رئیس بھائی نے خالص اردو میں جواب دیا اور ہم لوگوں کو ایک اچھا کارنر ٹیبل مل گیا۔ ویٹرس نے سلام کیا تو مجھے حیرت ہوئی کہ لڑکی جاپانی تھی۔ پتہ چلا انڈونیشن ویٹرس ہے اور رئیس بھائی کی باقاعدہ حاضریوں نے اسے ٹوٹی پھوٹی اردو سکھا دی تھی۔ ہم لوگ مینو میں الجھے ہوئے تھے کہ وہ

آرڈر لینے آ گئی رئیس بھائی نے ہم لوگوں سے پوچھا، ہم نے تکلفاً کہہ دیا کچھ بھی منگا لیجئے ویٹرس کو حضرت کی پسند کا خوب اندازہ تھا: چکن پالک۔ لیمب ونڈالو، دال مکھنی اور نان..... چلئے صاحب مسئلہ حل ہوا، ہاں ساتھ میں کوک اور اورنج جوس!

میں نے کہا رئیس بھائی یہ کھانا پینا تو چلتا رہے گا آپ شعر سنائیں، پہلے جناب نے ٹالا۔ پھر سگریٹ سلگائی ایک مجھے بڑھایا ایک لمبا کش لیا کچھ سوچا پھر مسکرائے میں نے کہا حضور عطا ہو ان کا ذہن کہیں خلا میں بھٹک رہا تھا:

سارے موسم اسی کے موسم تھے
فصل گل سے ملے خزاں سے ملے!

واہ ...... سبحان اللہ ٹوکیو کی حشر سامانیاں، جاپانی بچیوں کی دل گیر مسکراہٹ، مغلیہ پکوان کی روح افزا خوشبو اور ریستوران کی رومان پرور سرگوشیاں.... سب بھول کر میں واہ واہ کر رہا تھا، مکرر حضور! عرصہ بعد بھرپور غزل کا شعر سنا تھا۔ رئیس بھائی نے بڑی مسحور کن آواز میں شعر دوبارہ پڑھا۔ ویٹرس کولڈ ڈرنک لے کر آ گئی تھی انہیں کہیں اور گم دیکھ کر خاموشی سے گلاس رکھ کر چلی گئی، ہر ایک نے اپنا گلاس سنبھالا۔ پھر دوسرے شعر کی فرمائش ہوئی.... رئیس بھائی نے کہا میں کلاسیکل جاپانی شاعری جسے ''تنکا'' کہتے ہیں سناتا ہوں، یہ پانچ مصرعوں والی نظم ہوتی ہے۔ بصد شوق سنائیں میں تو یہاں کی شاعری کے تعلق سے صرف ''ہائیکو'' کے بارے میں جانتا ہوں میں نے کہا.... آپ کیا ہر اردو والے کے تصرف میں ہائیکو پہلے سے موجود ہے۔ بلکہ اب تو ہمارے محترم شعراء اور شاعرات نے اسے اردو شاعری کی ایک صنف بنا دیا ہے میں نے اسی لئے ایک نئی صنف ''تنکا'' کا انتخاب کیا ہے، بارہویں صدی کے عظیم شاعر ''سئی گیو'' کی ایک مشہور ''تنکا'' ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد میں نے اور انور نے ایک زبان ہو کر کہا اور ہمہ تن گوش ہو گئے:

میرا دل اب دشتِ فلک ہے

جیسے

موسم گل کی کہر

اس دنیا میں اب کیا رہنا

عزمِ سفر ہے جانِ جاناں

اب دیکھئے زندگی کی بے ثباتی کا یہ رنگ دیکھ کر اردو غزل کی روایتی ادائیں ذہن میں آتی ہیں یا نہیں، رئیس بھائی نے پوچھا۔ گویا حضرت ''سی گیو'' جاپان کے میر نکلے، میں نے سوچتے ہوئے کہا.... بالکل بھئی جاپان کی شاعری خالص مشرق کی شاعری ہے، یہ اپنی کلاسیکل صفات میں ہماری اردو کی روایتی شاعری سے بہت قریب ہے، رموزِ عشق ان کی لطافتیں، اظہار کی علامتیں، اردو غزل کی طرح یہاں کے مزاج میں بھی رچی بسی ہے رئیس بھائی بڑے جذباتی انداز میں جاپانی سخنوری پر روشنی ڈال رہے تھے کہ دال مکھنی، چکن پالک وغیرہ لئے ویٹرس آ گئی۔ میز پر کھانا چن دیا گیا۔ پہلے خوشبو پھر کھانا اچھا لگا ہال میں ہمارے علاوہ بیشتر جاپانی بیٹھے تھے اور مغل پکوان کی پسندیدگی کا ثبوت دے رہے تھے ایک کنارے کچھ امریکن لڑکے بھی جاپانی لڑکیوں کو قورمے کے بارے میں اتنی تفصیل سے بتا رہے تھے کہ گویا یہ مسالے دار قورمہ ان کی خاص ایجاد ہو، ویسے مغلیہ پکوان اب واقعی عالمگیر ڈش بنتی جا رہی ہے۔ ہم لوگ چٹخارے لے کر کھا رہے تھے، ہمارے بازو کے ٹیبل پر ایک جاپانی جوڑا شرمایا سا بیٹھا سبھوں کو تاک رہا تھا شاید وہ پہلی بار انڈین ریستوران آئے تھے۔ محترمہ بھنے ہوئے زعفرانی مرغِ مسلّم کو اتنی ہی حیرت سے دیکھ رہی تھیں جتنی مسرت سے میں نے اسادا صاحب کے دعویٰ خاص پر باہوش کچی مچھلی کو دیکھا تھا میں خواہ مخواہ مسکرا اٹھا۔ رئیس بھائی نے گویا میری چوری پکڑتے ہوئے اشاروں سے پوچھا معاملہ کیا ہے؟

پہلے میں ہنسا پھر قصہ کچی مچھلی کا سنا دیا۔ اب وہ ہنسنے لگے۔ مجھے احساس ہوا کہ ہماری ہنسی کا کچھ اور مطلب ہمارے پڑوس نے لے لیا، میں نے فوراً موضوع بدلا۔ اور کہا: صاحب مجھے بھی چند جاپانی اشعار یاد ہیں پتہ نہیں کس کے ہیں مگر مجھے پسند ہیں:

گو دنیا ایک شبنم کے قطرے کی مانند ہے

مگر ہماری دنیا تو ہے.....!

یا پھر وہ شعر کہ:

دوستو مجھ سے دور رہو

تاکہ میں تنہائی میں دن بھر پھولوں کی عبادت کر سکوں!

جاپان کی زیادہ تر شاعری اور مصوری امپریشنسٹ تھی اور آج تک ہے، ان کے یہاں نہ خودی کے فلسفے کی گہرائی ہے نہ کسی دیگر فلسفے کا جھگڑا! ہاں بدھ ازم کے زیر اثر دنیا کے فانی ہونے کا احساس گہرا ہے۔ مختصر یہ کہ جاپان کا شاعر مناظر فطرت کا عاشق ہے، ''سَی گیو'' اگر میر صاحب ہیں تو ہائیکو کے معروف شاعر ''باشو'' کو غالب کا مقام حاصل ہے ساتھ ہی جدید شاعری میں ''سانتو کا'' ہمارے ن۔م راشد کے عقیدے کو اپنائے ہوئے ہیں مگر کمال یہ ہے کہ بیشتر شعراء کا کلام قدیم کلاسیکی بازگشت لئے ہوئے ہے۔

ویٹرس کے ٹوکنے پر احساس ہوا کہ کھانا ہم بہت پہلے ختم کر چکے تھے۔ رئیس بھائی نے رس ملائی اور مسالے والی چائے کا آرڈر دیا اور مجھ سے پوچھنے لگے کھانا ٹھیک تھا یا آپ وضع داری نبھا رہے ہیں۔ میں نے کہا سچ پوچھئے تو مجھ کچھ نہیں پتہ میں تو آپ کی باتوں سے سرشار ہوتا رہا، میرے لئے یہی بہت ہے انور نے یقین دلایا کہ واقعی کھانا اتنا ہی مزیدار تھا جتنی آپ لوگوں کی باتیں، خوش ذائقہ رس ملائی اور مسالے والی گرما گرم چائے نے ساری باتوں کا نشہ دوبالا کر دیا۔

رات گیارہ بجے تک بیٹھے ہم لوگ دیگر بہت سی باتیں کرتے رہے، اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا مگر ریستوران والوں پر رحم آیا رئیس بھائی نے کہا یہاں ریڈیو پر آپ کا ایک انٹرویو ہوگا، پرسوں صبح اسادا صاحب آپ کو اس کی تفصیل بتادیں گے پھر مجھے فون کر لیجئے گا میں آپ کو لے چلوں گا،، میں نے کہا سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے....

رئیس بھائی نے پتہ نہیں کتنے ہزار ین کا بل چکایا اور ہم سب سونف، مصری چباتے باہر آ گئے۔ راستے کی بھیڑ اور رونق دونوں بانہیں پھیلائے ہمیں اپنی طرف بلا رہی تھی مگر میں دن بھر کی تھکن سے چور تھا، رئیس بھائی سے شکریے کے ساتھ اجازت چاہی اور انور کے ساتھ ڈولتاان کے دولت کدے کی طرف چل پڑا۔

(سفرنامہ ''مزید آوارگی'' سے اقتباس)

Prof Rais Alvi and his children, accompanied by Prof. Suzuki (Japan)

پاکستانی اور جاپانی ہائیکو میں بنیادی فرق

پروفیسر محمد رئیس علوی

پاکستانی اور جاپانی ہائیک میں فرق اور مماثلت کو دیکھنے کے ساتھ ہی پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ اہل جاپان کیوں ہائیک لکھتے ہیں؟ اور ہم پاکستانی عام طور پر کیوں ہائیک لکھتے ہیں؟

اہل جاپان فطرت کے ساتھ ہم آہنگی اور وابستگی کو اپنے طرز حیات کی اساس مانتے ہیں، ان کے گھر، ان کے راستے، ان کی عبادت گاہیں، ان کے باغ، ان کے ادارے اور ان کی اخلاقیات، ہر جگہ آپ اس نکتے کی تصویر و تفسیر دیکھ سکتے ہیں۔ ان کے روایتی گھر لکڑی سے بنائے جاتے ہیں، مگر گھر کے چوبی فرش اور زمین کے درمیان ایک فاصلہ رکھا جاتا ہے تاکہ درمیان سے ہوا کے گزرنے کی گنجائش رہے اور فرش پر لیٹا ہوا شخص گزرتی ہوا کی سرسر کی آواز سن سکے، چھوٹے سے گھر میں بھی ایک باغ ضرور ہوتا ہے، خواہ وہ صرف دو درختوں کا ہو، پھول بھی کھلتے ہیں، خواہ چند پھول ہی کھلیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ پودے یا باغ کوئی فیشن کے طور پر نہیں بلکہ یہ فطرت کا اختصار ہے اور اس سے قریب رہنے کی تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ اسی طرح بونسائی یعنی نہال مظروف بھی جاپانی زندگی میں فطرت سے وابستگی اور اس کی قربت کی شدید خواہش کا نہ صرف ایک فنکارانہ اظہار ہے بلکہ فطرت کو مختصر کر کے اپنے گھروں کے اندر اٹھا لانے کی ایک عاشقانہ کوشش ہے۔ موسم بہار میں چیری کے پھول کھلتے ہیں تو

لوگ نمائش اور میلے کی طرح ان کو دیکھنے جاتے ہیں کہ یہ "گل بینی" کی روایت ہے، ہزاروں لوگ چیری کے درختوں کے سائے میں فرش بچھائے شغل مئے نوشی اور حسن ولطف کی باتیں کرتے نظر آتے ہیں، اسکول، کالج، جامعات، تجارتی ادارے، دوستوں کے حلقے، خاندان سب اپنے اپنے وابستگان کے ساتھ "گل بینی" کی اس روایت کو کچھ اس تسلسل کے ساتھ تازہ رکھتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب تک دنیا میں چیری کے پھول کھلتے رہیں گے، اہل جاپان "گل بینی" کی رسم ادا کرتے رہیں گے، یہی حال موسم خزاں میں "کویو" یعنی پتوں کے بدلتے رنگ دیکھنے کا ہے۔ پہاڑوں پر یہ منظر پھولوں کی چمن آرائی کو بھلا دیتا ہے۔

پتوں کے یہ سبز، سنہرے، زرد، نارنجی، گلابی، سرخ اور ہلکے گہرے عنابی رنگ شیشہ کی طرح جھلکتے ہیں اور ان کو دیکھنے کے لئے لوگ دور دراز اور بلند وبالا پہاڑوں کا سفر کرتے ہیں۔ گزشتہ ماہ جب جاپان میں خزاں کی جاتی ہوئی بہار تھی تو میں وہیں تھا۔ جاپان کے عظیم شعراء کے راستے پر چلتے ہوئے میں، پروفیسر ہاگیتا اور ان کی بیگم کوہ یوشینو کی چوٹی پر پہنچے تو ہمیں وہاں "کویو" دیکھنے کے لئے آنے والوں میں کئی بزرگ خواتین اور بچے بھی ملے۔ یہ ایک عمودی چڑھائی کا دشوار سفر تھا، مگر وہاں "کویو" کا نظارہ ایک حسن حیرت آفریں تھا۔ اسی طرح شنتو مذہب کی عبادت گاہیں درختوں کے جھنڈ میں چھپی ہوتی ہیں۔ دریا کو پار کر کے سرو کے سو سو فٹ اونچے درختوں اور صنوبر کے سایوں سے گزر کر آپ وہاں تک پہنچ سکتے ہیں، تو عرض یہ ہے کہ قدرتی حسن اور فطرت سے ہم آہنگی اور وابستگی جاپانی طرز حیات کی ایک بنیادی روش ہے، ظاہر ہے کہ جاپانی ادیب اور شاعری بھی اسی فکری اور تہذیبی سوتے سے اپنا خمیر بناتی اور اپنی آنکھیں دھوتی ہیں۔ اب ذرا ہائیک کی طرف آئیے تو یہ ترکیب اصل میں دو لفظوں سے

ل کر بنی ہے۔ پہلا لفظ ہائی ہے۔اس کے معنی تو ذہن ،دماغ اور بڈھا ہیں اور دوسرے معنی ہیں کھیل میں چھیڑ چھاڑ اور لطف مذاق کے لئے فقرہ بازی غیر سنجیدہ اور غیر حقیقی دوسرا حصہ "کُ" کا ہے ،اس کے معنی جملہ یا فقرہ۔ ابتدا میں ہائیک لکھنو والوں کی فقرہ بازی کی طرح مزاح و ظرافت کے لئے لفظوں کا ایک کھیل اور عام لوگوں کے لئے لطف اندوزی کا ایک ذریعہ تھی۔ لوگ ہائیک کے ذریعہ شوخی، سطحی شاعرانہ اور لسانی مہارت وذہانت کا مظاہرہ کرتے تھے۔

فسوبشو (پیدائش ۱۹۴۴ء) نے اٹھارہ سال کی عمر سے ہائیک لکھنے کا آغاز کیا اور پھر وہ ہائیک کو مسلسل گہرائی اور اعتبار دیتے گئے۔ جاپانی ہائیک کے الفاظ علامت بھی ہوتے ہیں، ان کی معنویت کا سراغ لگانا مشکل کام ہوتا ہے، جیسے کہ اردو غزل میں تہہ داری ہے، اس سے بھی کچھ زیادہ تجرید کے دائروں میں ان کا ربط تلاش کرنا ہوتا ہے یہ جاپانی ہائیک کے پڑھنے اور سمجھنے کی روایت و عمل میں تخیل آفرینی اور بکھر اں کائنات میں ربط جوئی کی صلاحیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے میں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ کسی غیر جاپانی کی لکھی ہوئی ہائیک ایسی ہوتی ہے جیسے کسی غیر مسلم شاعر کی لکھی ہوئی نعت یا منقبت اور پھر وہ شاعر جسے فطرت سے آگہی اور الفت نہ ہو ہائیک لکھے تو اس کی ہائیک ایسی ہی ہوگی، جیسے کوئی دہری قیامت کا ذکر کرے۔ جیسے نعت گوئی کے لئے ایک سیال محبت چاہئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، جو صرف مسلمان کا حق اور حصہ ہے تو ہائیک لکھنا ایک تہذیب ہے، بکھر اں کائنات کے چھوٹے چھوٹے حیوانات و نباتات سے، ہوا سے، آوازوں سے، موسموں سے، دریا، تالاب، گھاس، چاند، سورج اور پتھروں سے وابستگی کی ہم آہنگی کی تہذیب، جاپانی ہائیک لکھنا ایک عقیدہ ہے، زندگی اور فطرت کی ہم نوائی کا عقیدہ۔

پاکستانی شعراء بہت خوب صورت اثر انگیز ہائیک لکھ رہے ہیں۔ اب چونکہ ایک معاشرے کا ادب دوسرے معاشرے میں نہیں لکھا جا سکتا، کیونکہ منظر، موسم، عکس کے ساتھ طرز حیات، عقیدہ تاریخ اور تہذیب میں بھی کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے اس لئے ہماری ہائیک اور جاپانی میں کچھ نہ کچھ فرق تو ضرور ہوگا۔

پاکستانی ہائیک مجھے سین ریو (Senryu) یا آزاد ہائیک سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے، یاد رہے کہ سین ریو بھی ہائیک ہے اور آزاد ہائیک بھی ہائیک ہے۔ سین ریو آج کل جاپان میں پھر مقبول ہے، اس میں موضوع کی قید نہیں ہے، سماجی اور سیاسی مسائل پر گفتگو آرام سے ہو سکتی ہے یہ جمہوریت کی بھی نشانی ہے۔

(بشکریہ جنگ کراچی۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۹۹ء)

قدیم وجدید رنگ کا عکاس

ماھنامہ سخنور

نقوش نقوی کی ادارت میں باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے

پوسٹ بکس نمبر ۱۷۸۳۰، ہیڈ پوسٹ آفس، گلشن اقبال۔ کراچی ۷۵۳۰۰ پاکستان

مزالی دنیا پبلی کیشنز

نئی دہلی (ہندوستان) کی فخریہ پیش کش

۱۔ **تکونیاں** (تکونیوں کا پہلا انتخاب)

مرتب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی

۲۔ **لندن یاترا** (سفرنامہ)

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی

گل چینی

پروفیسر محمد رئیس علوی
(ٹوکیو یونیورسٹی آف فارن اسٹڈیز)

منیوشو ایک ایسی شاعری کا مجموعہ ہے جو نہ صرف اپنی قدامت میں بلکہ اپنے تنوع، سادگی اور فطرت نوائی کی بنا پر بھی اپنی جگہ خود ایک عالم ہے۔ اس کے شعراء انسانی تاریخ کے اس دور کے کردار ہیں جب گھنے جنگلوں، وسیع میدانوں، دشوار گزار سمندروں، ناہموار راستوں، طویل فاصلوں، فوری فیصلوں، مشکل ملاقاتوں اور ان کہے انتظار کا زمانہ تھا۔

چوتھی صدی عیسوی سے آٹھویں صدی تک جب جاپانی زبان ابھی تشکیل کے مرحلوں سے گزر رہی تھی جاپان کی معاشرتی فضا، آداب الفت، وطن اور شہنشاہ سے عقیدت کی ادائیں اور جذبۂ محبت کے اظہار کے پیرائے کیا تھے، جدائی کے غم کتنے گہرے اور وصل کی آرزو کتنی شفاف تھی۔ خاندان کتنا اہم تھا، والدین، بیوی، بچوں اور شوہر کی محبتوں کی گفتگو کتنی بے ساختہ اور براہ راست تھی اس کا اندازہ ان ننھی نظموں سے کیا جا سکتا ہے۔

اوکورا ہیں
اب چلتا ہوں
بچے میرے روتے ہوں گے
ان کی ماں بھی چپ چپ بیٹھی
رستہ میرا دیکھتی ہو گی

(یامانواوے نواوکورا)

یماتو جار ہاتھا
تو ٹھہرا نیم شب وقت جدائی
کھڑی تھی رات بھر جب ہوش آیا
سحر کی اوس نے مجھ کو بھگویا
(اوکونو ہیمے میکو)

اور پھر یہ آج بھی تازہ اور ہر قوم کا عالمی نغمہ دیکھئے:

چاندی سے بڑھ کر
سونے سے بڑھ کر
سب سے زیادہ
گنجینہ ہائے گوہر سے بڑھ کر
بچے ہمارے پیارے پیارے
(یامانواوسے نواوکورا)

صنعت کاری، جدیدیت اور تصنع پسندی کے دور میں یہ ایک انوکھی شاعری ہے جو آپ کے بند کمرے کی برقی روشنی میں آپ کو تاریک جنگلوں، رنگ رنگ پہاڑوں بے تاب سمندروں کی سیر کراتی ہے اور جہاں آپ جھینگر کی آواز اور قازوں اور جنگلی بطخوں کی چہکار سنتے ہیں۔ بارہ سو برس پہلے کی تاریخ اور شاعری میں کتنا فرق ہے!

کاموناپی کے دریا میں
مینڈک گیت سناتے تھے
اب بھی وہاں وہ زرد گلاب
کھلتے ہوں گے، ہنستے ہوں گے

پانی کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوں گے

(اَنسومی نوا کیمی)

یوشینو کے ساحل پر
اس شاہ بلوط کے جنگل میں
اب آدھی رات کا وقت ہوا
آوازیں آتی رہتی ہیں
قازیں کیا گاتی رہتی ہیں

(یاما بے نوا کا ہیتو)

اور سمندر چڑھتا جائے
سوکھی جھیل کو بھرتا جائے
سوکھی جھیل نہ پائیں
سرکنڈوں کے ساحل اوپر
سارس شور مچائیں

(یاما بے نوا کا ہیتو)

منیوشو کی شاعری کا جس کا بیشتر حصہ ساتویں اور آٹھویں صدی کے شعراء کی تخلیقات پر مشتمل ہے صرف عربی ادب میں سبع معلقات کے دور کی شاعری کے ساتھ موازنہ ہوسکتا ہے کیونکہ لسانی پہلو سے قطع نظر جغرافیائی تضادات اور مکانی فاصلے کے باوجود زمانی یکجائی بہرحال موجود ہے۔

اسلوب فطرت میں یہ سادگی نرمی، جذبہ واحساس کی برتری اور بے ساختگی کے ساتھ ایک شاندار شاعری ہے۔

جاپانی شاعری میں عام طور پر اور منیوشو میں خاص طور پر موسموں اور پھولوں کے ساتھ ساتھ پہاڑ، دریا، سمندر، جھیلیں، بستیاں، بیاباں، درخت، پرند اور دیگر حیوانات اور ان کے اسماء خاص ایک زہنی منظر نامے کی تشکیل کرتے ہیں جس سے ایک احساس وابستگی، اذکار اور یادوں کو ایک جغرافیائی حقیقت کی صورت ملتی ہے۔ اردو شاعری میں یہ کمیاب ہے۔ ہم ذاتی تجربے کو آفاقی بناتے ہیں اس کی ایک وجہ شاید برصغیر پاک و ہند میں ذیلی ثقافتوں کا تنوع اور مذاہب کی فکر و اخلاقیات کا فرق ہے۔ اردو شاعری کا عروج شاہان مغلیہ کی مرکزی حکومت کے دور زوال میں ہوا تھا۔ منیوشو کے عہد میں جاپان میں ذیلی ثقافتوں کو موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن منیوشو کا زمانہ جاپان میں سیاسی اعتبار سے مرکزی استحکام اور قومی یکجہتی کی شاہراہ پر ایک پر عزم سفر کا زمانہ تھا۔ دائرۂ مملکت میں آنے والا ہر مقام محبوب اور ہر فرد معتبر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ منیوشو کے شعراء کا ذہن ابلاغ کی ناکامی اور تجربے کی عدم تفہیم کے اندیشے سے آزاد تھا۔ اردو نظم یا غزل میں خاندان کے تعلق سے باتیں کرنا ابھی عام نہیں، رشتہ داروں یا عزیزوں کی زندگی میں اردو شعراء نے ان کے لئے محبت کے اظہار میں حجاب سے کام لیا ہے۔

منیوشو کے شعراء کی فہرست میں شہنشاہ سے لے کر نا معلوم افراد تک آتے ہیں اور ملکہ سے لے کر نا معلوم سرحدی محافظ کی نا معلوم بیوی تک کی تنکائیں اس میں شامل ہیں۔ اس انتخاب میں امیر و غریب یا مرد و زن کا کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا ہے۔ یہاں قوی کے ساتھ مجبور کو اور مرد کے ساتھ عورت کو بھی اپنی بات کہنے کا پورا موقع حاصل ہے۔ ساڑھے چار ہزار سے زیادہ اشعار کے اس مجموعے میں قدیم جاپانی معاشرے کے بے شمار کرداروں سے ہماری ملاقات ہوتی ہے اور گزری ہوئی صدیوں کی بے ریا آوازیں ہمارے کانوں میں آتی ہیں۔

شمع کے آگے روشن روشن
اس کا چہرہ
ہنستا تھا
آج بھی میری نظروں میں وہ
منظر گردش کرتا ہے

(نامعلوم)

منیوشو کی ان ایک سو ایک نظموں کا ترجمہ کئی پہلوؤں سے میرے لئے مشکل تھا۔ ان نظموں میں جذبات کا اظہار نہایت سادگی مگر قوت کے ساتھ ملتا ہے۔ میرے سامنے انگریزی ترجمے کے ساتھ پروفیسر سوزوکی تاکیشی کی تیار کردہ تشریحات و ترجمے بھی تھے لیکن بعض مقامات پر منیوشو کی لغت اور اردو غزل یا نظموں کی لغت میں زمان و مکان کے فاصلے کا فرق بہرحال آتا تھا۔ ان کے لئے ایسے الفاظ اور تراکیب کی تلاش و تشکیل کی ضرورت تھی جن سے اردو شاعری کے قارئین کے شعری ذوق کو تسکین کا کچھ سامان بھی مل سکے۔ مثلاً بیوی یا شوہر کا کردار اردو نظموں اور خاص طور پر اردو غزل میں محبوب کی صورت میں نایاب ہے اس لئے میں نے حسب موقع ''بیوی'' کے لئے زینت خانہ اور عندلیب خانہ کی تراکیب استعمال کی ہیں۔ بہرحال ترجمہ جیسا بھی ہے، آپ کے سامنے ہے خدا کرے یہ آپ کے معیار شعری پر پورا اترے۔

بارہویں صدی کے مشہور جاپانی شاعر سئی گیو کی ایک سو ایک تنکا نظموں کے ترجمے کے بعد جاپانی شاعری کا یہ میرا دوسرا ترجمہ ہے۔ آخر میں مجھے امید ہے کہ اردو شاعری کے قارئین جاپانی زبان کی ان قدیم ترین نظموں کو پڑھ کر لازوال انسانی محبت کے ایک بھولے ہوئے دور کی یادیں تازہ کریں گے۔ (۲۲ فروری ۱۹۸۹ء)

(مشمولہ گل صد برگ جلد اول)

ہائیکو

نفاش کاظمی

تو مت آیا کر
پہروں ٹھہرا رہتا ہے
آنکھوں میں منظر

دل اس پار گیا
کچے گھڑے کی جیت ہوئی
دریا ہار گیا

کچھ انجانے خواب
صدیوں سے ہم رشتہ ہیں
برگد اور تالاب

زخم یہ کل کے ہیں
دل کی جھیلوں کے اوپر
پھول کنول کے ہیں

کس سے جھگڑا ہے
اینٹینا پر اک کوا
جل کر بیٹھا ہے

سہیل غازی پوری

خود بھی جلتا ہے
جب سورج اپنے گھر سے
باہر آتا ہے

جب بھی آتے ہو
خوشبو بن کر دامن میں
رچ بس جاتے ہو

یہ کیوں سوچا ہے
سوکھے پھولوں کے اندر
اب کیا رکھا ہے

تاروں جیسے ہیں
آنکھوں کے جگنو کب سے
جلتے بجھتے ہیں

آنکھیں جل تھل ہیں
عنواں رکھ دو اب کوئی
یہ تو پاگل ہیں

ہائیکو

شبہ طراز (لاہور)

اتنی خاموشی
برف کا صحرا پھیلا ہے
منظر دل جیسا

سپنے کہتے ہیں
آنکھوں میں رہتے ہیں وہ
ہم کیسے آئیں

سارے افسانے
سارے باب تمہارے ہیں
خواب کہانی کے

بادل اترے ہیں
دل کی ویرانی بولی
اب مینھ برسے گا

خوابوں کے ذرے
آنکھوں سے ہو کر پہنچے
تکیے کے نیچے

حجاب عباسی (کراچی)

کوئل گائے راگ
ورنہ سب کو ڈس لیتے
سناٹے کے ناگ

مٹی کا اک گھر
شہد کی مکھی کا ڈیرہ
اونچے پیڑوں پر

رات اماوس کی
جگنو میرے چاروں اور
بات ہے آپس کی

پتوں کی آواز
چڑیوں کو بھی بھاتی ہے
جیسے کوئی ساز

خواب انوکھے تھے
صحرا تھا اور بارش تھی
سارے دھوکے تھے

ہائیکو

رئیس باغی

گھر کر آئے ہیں
شاید بارش ہو جائے
بادل چھائے ہیں

باغی، یہ مت بھول
دل پر جادو کرتے ہیں
جگنو، تتلی، پھول

دریا، مچھلی، جال
میں نے جب بھی دیکھے تو
یاد آیا بنگال

کم سے کم ہی ہو
بارش اچھی لگتی ہے
بے موسم ہی ہو

تجھ کو اے ہمدم
پیارا ہے ہر موسم سے
آموں کا موسم

اطہر نادر

پھول کھلے ہر سو
گلشن گلشن مہکا ہے
جانے کہاں ہے تو

چڑیوں کا جوڑا
بجلی کے تار پہ بیٹھا
محبت کرتا ہے

اجلی اجلی برف
اونچے اونچے پربت پر
اچھی لگتی ہے

بارش ہونے سے
پیڑوں کے پتے دھل کر
چھم چھم کرتے ہیں

کیسا موسم ہے
چیری کے ہیں پھول کھلے
من لہراتا ہے

☆☆☆

ہائیکو

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

موسم بھیگا ہے
اس کی کومل یادوں کا
جادو پھیلا ہے

سپنا سندر ہے
کیا کرنا باہر جا کر
سب کچھ اندر ہے

پل پل ساتھ رہے
اس کے خواب کے سندر بن
ساری رات رہے

یاد کسی کی آتی ہے
سوکھی بنجر آنکھوں میں
ایک ندی لہراتی ہے

سیما سراج (کراچی)

کاٹ کے ٹہنی کو
چڑیا سے وہ پوچھتا ہے
گھونسلا کیا ہوگا

گھر کا دیا بجھا
اندھیروں سے گھبرا کر
گھر ہی دیا جلا

پوچھ نہ کیسا ہے
جیسا میں نے چاہا تھا
بالکل ویسا ہے

بات ہوس کی تھی
اس نے غیر کے ہاتھوں میں
گھر گروی رکھا

کیا کچھ سوچا تھا
سب کچھ بھول گئے لیکن
جب وہ سامنے تھا

ہائیکو

عبیداللہ ساگر

بچتے رہنا یار
سب کو پاگل کرتی ہے
سکوں کی جھنکار

جیون کہتا ہے
آنے جانے کا موسم
زندہ رہتا ہے

خوابوں میں مت جھوم
پانے کی گر خواہش ہے
پائے محنت چوم

پکا اپنا کام
اندھیارے کے بیری ہم
جگنو اپنا نام

ادریس غازی

کیسی ہے بستی
گولی بے حد مہنگی ہے
موت بہت سستی

قصہ ہے سچا
ساری رات نہیں سوتے
بوڑھا اور بچہ

کہتا ہے نادر
دونوں ہی ٹمپریری ہیں
بیوٹی اور پاور

بندھ گئے دونوں ہاتھ
ایک بجٹ آنے سے قبل
ایک بجٹ کے بعد

رسی کا یہ بل
جلنے سے کیا نکلے گا
ڈنڈا اس کا حل

ہائیکو

مفتاح اعظمی چاپدانوی (ہگلی، ہندوستان)

البم کی تصویر
کر جاتی ہے دل پر نقش
یادوں کی تحریر

تو اس کو مت بھول
موسم موسم مہکے گا
چاہت کا یہ پھول

ہر سو تُو ہی تُو
جگ سارا مہکائے تو
زلفوں کی خوشبو

رکھنا ہر دم یاد
سپنے ٹوٹ کے بکھریں تو
مت ہونا ناشاد

روٹی، کپڑا، گھر
تینوں گر مل جائیں بھی
اس کی ذات سے ڈر

شمیم انجم وارثی (مغربی بنگال، ہندوستان)

سچ کہتا ہوں جان
تم سے جگمگ جگمگ ہے
گھر آنگن دالان

مندر میں ہر شام
مجھ سے ملنے آتا ہے
وہ میرا گھن شام

پیپل کی چھاؤں
مجھ کو اکثر یاد آئے
گوری تیرا گاؤں

پریت نہ جانے ریت
اکثر اپنی مستی میں
بھنورا گائے گیت

جاگ اٹھی تقدیر
دیکھ کے البم میں اس کی
اک دھندلی تصویر

ہائیکو

صابر عظیم آبادی (کراچی)

جنگل جنگل شور
میرا من بھی ناچے گا
جب ناچے گا مور

زلفیں ہی بادل
آنکھیں ساگر کی لہریں
چہرہ جھیل کنول

کرتا ہوں میں یاد
صحنِ گل میں جیسے کی
بلبل نے فریاد

یادوں کا لشکر
چاند، شفق، تتلی، جگنو
شام کا ہے منظر

بادل گرجے گا
بھیگی آنکھیں کہتی ہیں
پانی برسے گا

قاضی اعجاز محور (گوجرانوالہ)

اک گوری کا روپ
جیسے بر فیلی چوٹی
صبح سنہری دھوپ

سورج کا ساغر
جنموں کی پیاسی دھرتی
اور نشیلی دھوپ

آتش دان میں آگ
کھڑکی سے اندر جھانکے
ٹھٹھری ٹھٹھری دھوپ

بادل کھیلیں کھیل
اونچے پربت پر چھاؤں
اور وادی میں دھوپ

ساگر کا درپن
بادل سے چھپ چھپ دیکھے
کوئی اپنا روپ

ہائیکو

عتیق الرحمٰن سالک (کراچی)

تم لکھتے رہنا
لفظ جلاتے ہیں شمعیں
لو چنتے رہنا

چشمے بہتے ہیں
پاگل پُروا کے سب وار
پربت سہتے ہیں

ڈولی خیالوں کی
کھینچے کہار آہستہ سے
نازک ہیں الفاظ

گہری نیندوں سے
اکثر بول اٹھتی ہے پیاس
دل کے کوزے کی

جلیل عشرت (کراچی)

اکثر دیکھا ہے
میری جانب اپنوں کا
پتھر آیا ہے

کوئی تو بولے
جس کا نہ اپنا کوئی
کیسے گھر جائے

روشن روشن ہے
سارا جنگل الفت کا
دل کے زخموں سے

سورج تڑپا ہے
بادل جب بھی برسا ہے
صحرا ترسا ہے

پنجابی ہائیکو

یاسین شیخ (کراچی)

سسی بے خبرے
پنھوں کیچیں جاوسیا
لبنی ایں کدرے

ہیر ترے ویڑھے
مجیاں نال گزارے رانجھا
ڈولی وچ کھیڑے

مٹھڑی مٹھڑی تان
رانجھن تیڈی ونجلی اتے
ہیرتی قرباں

بشیر فیض (راولپنڈی)

لا کے ٹل بجناں
زخماں وچ ٹنگ چھڈ یاۓ
ساڈا دل بجناں

سانوں جیون دے
اکھیاں دے میخانے وچوں
رج کے پیون دے

☆☆☆

مشرق کے ممتاز شاعر
مشرق صدیقی
کا پہلا مجموعہ کلام
عکس شعور
منظر عام پر آ گیا ہے

اسلام آباد میں ہائیکو مشاعرہ

رپورٹ: سلیم اختر

جاپان ایمبسی اور پاکستان ہائیکو سوسائٹی کے زیرِ اہتمام نیشنل لائبریری اسلام آباد کے آڈیٹوریم میں ہائیکو مشاعرے کا انعقاد ہوا جس میں شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کے علاوہ اہلِ ذوق خواتین وحضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ تقریب کی صدارت وفاقی وزیر صحت ڈاکٹر عبدالمالک کاسی نے کی جبکہ مہمانانِ خصوصی پاکستان میں جاپان کے سفیر ساداآ کی نوماتا اور اجلال حیدر زیدی تھے، صدارت امین راحت چغتائی نے کی۔

ہائیکو شاعری کی ایک صنف ہے جو جاپان سے پاکستان میں آئی ہے، پاکستان میں اردو ہائیکو کو اس قدر پذیرائی ملی کہ بہت تھوڑے عرصے میں شعراء کی کثیر تعداد نے ہائیکو لکھنا شروع کر دی اور اس طرح ہائیکو کی مقبولیت روز بروز بڑھتی گئی۔

اسٹیج سیکریٹری کے فرائض پاکستان ہائیکو سوسائٹی کے صدر ڈاکٹر بشیر سیفی نے سرانجام دیئے۔ بشیر سیفی کا شمار ان شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے راولپنڈی، اسلام آباد میں ابتداء میں ہائیکو کو رواج دیا۔ تقریب کے آغاز میں بشیر سیفی نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، نیا سال مبارک کہا اور ہائیکو کی صنف کے بارے میں مختصراً اظہارِ خیال کیا۔

پاکستان جاپان کلچرل ایسوسی ایشن کے صدر اجلال حیدر زیدی نے پاکستان اور جاپان دوستی پر روشنی ڈالی اور ہائیکو پر بات کرتے ہوئے جاپانی روایات کو سراہا۔

پاکستان میں جاپان کے سفیر ساداآ کی نوماتا نے مہمانانِ گرامی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ نیا سال پاکستان اور جاپان کے لئے خوشیاں لائے گا۔ انہوں

نے کہا کہ مجھے بے حد خوشی ہے کہ پاکستانی عوام جاپانی ہائیکو میں طبع آزمائی کررہے ہیں انہوں نے ایک جاپانی ہائیکو کا انگریزی اور اردو ترجمہ بھی سنایا جس کی سامعین نے جوش و خروش کے ساتھ داد دی۔

اس نے کچھ کہا/میں نے کچھ کہا/اور خزاں آئی

وفاقی وزیر صحت ڈاکٹر عبدالمالک کاسی نے اس بات کو سراہا کہ جاپان ایمبیسی والوں نے پاکستان میں جاپانی کلچر اور روایات کو متعارف کرانے کا اہتمام کیا ہے۔ یہ خوش آئند امر ہے۔انہوں نے پاکستان اور جاپان کی دوستی تادیر قائم رہنے کی دعا کی۔

ڈاکٹر بشیر سیفی نے اپنی ہائیکو سے مشاعرے کا آغاز کیا۔سامعین نے ان کی ہائیکو کو سراہا اور والہانہ انداز سے داد دی۔

پھول پہ ہاتھ رکھوں/لیکن پھر کچھ سوچ کے میں/شاخ پہ رہنے دوں

بشیر سیفی

ننگے پاؤں ہاتھ میں جوتا/ندیا پار اترنا بھی/کتنا سندر لگتا ہے

پروین طاہر

کوئی ایسا بھی ہو کہ جس سے/اس بھرے شہر کے خرابے میں/مل کے اک بار ٹوٹ کر رو ئیں

غضنفر ہاشمی

خواب سمندر کے/ہوں گے کیا ہوں گے آخر/دریا سوچتا ہے

سعید احمد

سورج مکھی سا/وہ چہرہ جانے کس کو/تکتا رہتا ہے

داؤد رضوان

قسمت پھوٹ گئی / پہلا پاؤں رکھتے ہی / سیڑھی ٹوٹ گئی

رفیق سندیلوی

بنتی رہتی ہیں / آنکھیں خوابوں کا ریشم / اندھی ہو کر بھی

قیوم طاہر

فکر کی وسعتیں بحال کرو / ہم کتابوں کے دوست ہیں یارو / تم ہمارا بھی کچھ خیال کرو

محمودہ غازیہ

گرتی ہے دیوار / گھر کی باتیں جا پہنچیں / آنگن کے اس پار

شرف الدین شامی

سڑکیں، گلی، محلے / شہر کے لوگ اور ان کی باتیں / ہر دم میرے ساتھ

نوید جمیل ملک

بچہ غمگیں ہے / ہاتھ میں لئے پتنگ / بارش ختم نہ ہو

شوکت مہدی

جشن بہاراں ہے / شور مبارک بادوں کا / ہیں حسب معمول

انوار فطرت

پھول زرد بیلے کے / سردیوں کی شاموں میں / دل اداس کرتے ہیں

عذرا اصغر

تتلی کی آواز / بچے ہی سن سکتے ہیں / پھول پری کا ساز

علی محمد فرشی

سرخ گھوڑا بندھا ہے بیری سے / اور اوپر منڈیر پر مہکیں / خوشبوئیں کاسنی دوپٹے کی

خاور اعجاز

جانے کب ہو میل / دور لئے جاتی ہے مجھ کو / ظالم خیبر میل

انوار فیروز

اتنے لفظوں کی کیا ضرورت ہے / حسن اظہار کیلئے تو جمیل / اک محبت کا لفظ کافی ہے

جمیل ملک

کھڑکی ہی کھولو / کمرا روشن ہو / کچھ تو دیکھ سکیں

ابن راحت چغتائی

ابن راحت چغتائی نے آخر میں ہائیکو پر اظہارِ خیال کیا اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔
مشاعرے سے قبل وفاقی وزیر نے جاپانی کیلنڈرز کی نمائش کا افتتاح بھی کیا۔
آخر میں مہمانوں کی پرتکلف چائے سے تواضع کی گئی۔

☆☆☆

اُردو سندھی اہلِ قلم کی نگارشات سے مرصع

موقر ادبی جریدہ

سہ ماہی لوح ادب انٹر نیشنل

مدیر: شکیل خان

ادارہ بزم صادق، ۲۱۔اے، لطیف آباد نمبر ۱۱

حیدر آباد

مشاق سخنور محسن باعشن حسرت کا کارنامہ

''بچے پھول ہوتے ہیں''

ادبِ اطفال میں عمدہ اضافہ

(منظومات)

فہام پبلی کیشنز۔۴۔پرنسپ اسٹریٹ

(پہلی منزل)۔کلکتہ۔۷۰۰۰۷۲ ہندوستان

بیرون ملک مقیم پاکستانی ہائیکو نگار

یعقوب تصور کے پہلے مجموعہ ہائیکو "صحرا میں جگنو" کی تقریب رونمائی

(رپورٹ)

۲۸ فروری ۲۰۰۱ء کو بیرون ملک مقیم کسی پاکستانی ہائیکو نگار کے پہلے مجموعۂ ہائیکو "صحرا میں جگنو" کی تقریب رونمائی ابوظہبی کلچرل فاؤنڈیشن (متحدہ عرب امارات) میں منعقد ہوئی۔ اس مجموعۂ کلام کے خالق ممتاز شاعر یعقوب تصور بہ سلسلۂ معاش امارات میں مقیم ہیں۔

اس موقع پر امارات میں جاپان کے سفیر عزت مآب توشیو موچی زوکی، وزارت اطلاعات (امارات) کے انڈر سیکریٹری جناب خلفان علی مصبح اور پاکستانی سفارت خانے کے ناظم الامور جناب نور اللہ خان نے مہمانان خصوصی حیثیت سے شرکت کی۔ تقریب میں منثور یا منظوم اظہارِ خیال کرنے والی معتبر شخصیات میں نجم الحسن رضوی، محمد کبیر خان، شفیق سلیمی، سعدیہ روشن، حسن اللہ ہما، اظہار حیدر، تسنیم عابدی، مصدق لاکھانی اور دیگر شامل تھیں نامور افسانہ نگار نجم الحسن رضوی نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

"صحرا میں جگنو" کی اجرائی تقریب میں امارات میں مقیم شعراء و ادباء اور ادب دوست عوام کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ حاضرین نے اس امر پر حیرت و مسرت کا اظہار کیا کہ وہاں مقیم شعراء نظم و غزل میں طبع آزمائی کرتے ہیں جبکہ یعقوب تصور نے مروجہ اصناف کے ساتھ ساتھ ہائیکو کو بھی وسیلۂ اظہار بنایا۔ سفیر جاپان جناب توشیو موچی زوکی نے ہائیکو کے حوالے سے پر مغز گفتگو کی، جبکہ صدرِ محفل جناب نجم الحسن رضوی (انچارج میگزین

سیکشن، خلیج ٹائمز) نے اس کتاب اور صاحب کتاب کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا۔ یہ تقریب جاپان اور امارات کے مابین قائم تیس سالہ دوستانہ تعلقات کے جشن کا ایک حصہ تھی۔

یعقوب تصور نے اس تقریب کے انعقاد کے ضمن میں ظہور الاسلام جاوید، سہیل خاور، کرامت اللہ دھامی اور اشرف صدیقی کے تعاون کا بطور خاص شکریہ ادا کیا۔

''صحرا میں جگنو'' کی دیدہ زیب طباعت و اشاعت ایوانِ ادب (کراچی) کا کارنامہ ہے۔

☆☆☆

''صحرا میں جگنو'' کی تقریب رونمائی

''بزمِ خیال''

مراسلہ نگاروں کی آراء سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں (مدیر)

☆ عجیب اور خوبصورت اتفاق ہے کہ کل کی ڈاک میں ''اقبال حیدر نمبر'' اور چند منٹ بعد ہی پوسٹ بکس کی ڈاک میں آپ کا گرامی نامہ۔ خط تو آپ کا ہمیشہ مجھے یہی تاثر دیتا ہے کہ عجلت میں لکھا گیا ہے۔ ''اقبال حیدر نمبر'' دیکھ کر بہت لطف آیا۔ اگر چہ صرف اداریہ اور اقبال حیدر صاحب کا مطبوعہ خط ہی پڑھ سکی ہوں یا چند ہائیکو، لیکن شکل وصورت یعنی صوری و معنوی اعتبار سے، موجودہ شمارہ وقیع لگتا ہے۔ یہ اس بناء پر کہہ رہی ہوں کہ:

........مضموں بھاپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر

لکھنے والے معتبر اور عنوانات جاذب توجہ۔ یقیناً ہمارے جیسے پڑھنے والے اس نمبر میں شامل معلومات افزا مضامین سے بہت فیض اٹھا سکیں گے۔ بھئی آپ کو کسی سے گلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ ادیب برادری عام لوگوں سے مختلف نہیں ہے۔ ادیب کو بحیثیت ادیب جیسا ہونا چاہیئے، یہ صرف تحریری اور لفظی معروضات ہیں۔ سرشت کے اعتبار سے وہ ویسے ہی ہیں، جیسے عام آدمی ہوتا ہے۔ کسی کی خوبیوں اور خصوصیات کا اعتراف کرنا بڑے حوصلے کا کام ہے۔ عمومی زندگی کا چلن تو یہ ہے کہ خود کچھ نہ کر سکیں مگر کسی دوسرے کو کرتا دیکھ بھی نہیں سکتے۔ لہٰذا آپ کو یہ غم نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہ اطمینان رکھنا چاہیئے کہ آپ جو کام کر رہے ہیں وہ اہم ہے، بڑا ہے اور تاریخی ہے۔ آخر کچھ لوگ تو ہیں نا آپ کے کام کو سراہنے والے، ہمت افزائی کرنے والے۔ بیشک تھوڑے سہی اور ''اچھائی'' تھوڑی سی ہوتی ہے پھر بھی برائی پر بہر طور حاوی ہے۔ دل جمعی، لگن اور محنت سے کام کیجئے، فالتو باتوں پر توجہ صرف کر کے اپنا حوصلہ پست نہ کیجئے۔

عذرا اصغر (اسلام آباد)

☆ہائیکوانٹرنیشنل کا خوبصورت اور ضخیم ''اقبال حیدر نمبر'' موصول ہوا۔ آپ تواتر کے ساتھ مختصر عرصے میں ہائیکوانٹرنیشنل کے نمبر پر نمبر نکال رہے ہیں اور اس مرتبہ تو آپ نے کمال ہی کر دکھایا۔ اتنے مختصر عرصے میں اقبال حیدر کے فن شناسوں سے اتنے تفصیلی اور وقیع مضامین حاصل کرنا، انہیں ترتیب دینا اور طباعت واشاعت کے دشوار گزار مراحل سے گزارنا یقیناً کمال اور جمال کا متقاضی ہے، اس لئے کہ ''اقبال حیدر نمبر'' نہ صرف حجم کے لحاظ سے بڑا ہے بلکہ تمام مندرجات محنت اور صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہ آپ کا یقیناً ایک بڑا ادبی کام بلکہ کارنامہ ہے۔ خدا آپ کی ہمتوں اور حوصلوں کو مزید توانائی عطا کرے (آمین)

اجمل اعجاز (حیدرآباد)

☆''اقبال حیدر نمبر'' اور ''وضاحت نسیم نمبر'' عنایت کرنے کا شکریہ، دونوں نمبر خوب ہیں، بالخصوص اقبال حیدر نے محمد نقوش (محمد طفیل) کی یاد تازہ کردی۔ تن تنہا آپ اس بوجھ کو اٹھا گئے، اگرچہ صحت ایسی نظر نہیں آتی۔..... ''اقبال حیدر نمبر'' میں اقبال حیدر کی ہائیکو دیکھ کر واقعی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہائیکو میں نابغۂ روزگار ہیں، مگر ان کے ہائیکو میں کچھ تجربے (۵۔۷۔۵ صوتی ارکان سے زائد) اور دیگر بحور کی تفہیم ہائیکو کے حوالے سے نہیں ہو سکی، کیونکہ ہائیکو کا وزن مقرر ہونا ضروری ہے۔ جب ایک صنف کا بڑا نام اس طرح کے تجربے کرے گا تو ہائیکو کسے کہا جائے گا؟

ذوالفقار دانش (میرپورخاص)

☆آپ کا ''اقبال حیدر نمبر'' بہت ہی دیدہ زیب اور محترم اقبال حیدر کی ہائیکو کا شاہکار ہے..... یہ سہ مصرعی صنف اب بہت ہردل عزیز ہوتی جارہی ہے۔ اس چمنستان کی آبیاری کا سہرا آپ کے سر ہے۔ نوجوان شعراء اس کی طرف راغب ہورہے ہیں۔ ہائیکو

کے حوالے سے میرا خیال ہے کہ اردو شاعری کو ایک نئی بین الاقوامی صنف مل گئی ہے۔

عنایت اللہ خان گنڈا پور (ڈیرہ اسماعیل خان)

☆ ہائیکو انٹرنیشنل پرچہ بہت ہی شاندار اور منفرد ہے، نمبر تو سبھی چھاپتے ہیں لیکن آپ نمبر لے گئے۔

علی کمیل قزلباش (کوئٹہ)

☆ ہائیکو انٹرنیشنل کی یہ خصوصی اشاعت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے اسے ایک یادگار تحفہ بنانے کے لئے پورے اخلاص و انہاک کے ساتھ بے مثال جدو جہد کی ہے۔ بلاشبہ اقبال حیدر اسی کے مستحق تھے، آپ نے حق ادا کر دیا۔ میں اس کامیاب کوشش پر آپ کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

امداد نظامی (کوئٹہ)

☆ ہائیکو انٹرنیشنل "اقبال حیدر نمبر" آپ کی مسلسل پانچویں کامیابی ہے جو ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ یہ بات خوش آئند بھی ہے اور مجھ جیسے قاری کے لئے خوشی کا سبب بھی!

صفدر علی خان (حیدرآباد)

☆ ہائیکو انٹرنیشنل کا "اقبال حیدر نمبر" تفصیل سے پڑھا۔ یقیناً اس کے اعلیٰ معیار اور علمی و ادبی حیثیت کی پرتیں کھلتی چلی گئیں۔ ایمانی بات ہے کہ ہم اقبال حیدر صاحب کی ادبی حیثیت سے صحیح معنوں میں اب متعارف ہوئے۔ ہائیکو انٹرنیشنل، آپ کا ادارہ ہمارے ادب اور ادیبوں کا بین الاقوامی سطح پر بہت اچھا تعارف کرا رہا ہے اور یقیناً اس کے لئے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر علی اطہر شوکت (ملتان)

☆لائبریری میں آپ کا گراں قدر عطیہ ہائیکو انٹرنیشنل ''اقبال حیدر نمبر'' کی ایک کاپی وصول ہوئی۔ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے طلبہ وطالبات اور اہلِ علم کے لئے اس عطیے کو عنایت فرمایا اور ڈاکٹر محمود حسین لائبریری کو اس تحفے کو منتخب کیا۔

انشاءاللہ سرمایہ علمی سے ہمارے قارئین مستفید ہوں گے۔

پروفیسر ملاحت کلیم شیروانی

لائبریرین ڈاکٹر محمود حسین لائبریری (جامعہ کراچی)

☆اقبال حیدر پر آپ نے بہت شاندار اور بھرپور نمبر شائع کیا ہے،سبحان اللہ! دل کی گہرائیوں سے مبارکباد۔آپ نے واقعی اس نمبر کی اشاعت کے ذریعے اپنے لئے اردو صحافت میں جگہ بنالی ہے۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔مافوق الفطری صلاحیتوں سے نوازا ہے،رب العزت نے آپ کو پھر آپ خونِ جگر بھی صرف کر رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ شمارہ ابھی سرسری نگاہ سے ہی دیکھ سکا ہوں، بہت کچھ ہے پڑھنے کے لئے جو عمیق مطالعے کا طلب گار ہے....آپ کے خونِ جگر کا وہ صلہ تو نہیں مل رہا جس کے آپ مستحق ہیں کیونکہ آج کل خودغرضی کا دور دورہ ہے۔سیاست کارفرما ہے ہر کام میں اور آپ کو اس گندگی سے واسطہ نہیں۔ہونا بھی نہیں چاہیئے،صلہ اللہ دے گا،وہی دیتا ہے۔دنیا سے امید قائم کرنا سراسر دھوکے کا سودا ہے۔یہ دنیا ہے ہی ''متاعِ غرور''

حیدر جعفری سید،کانپور (ہندوستان)

☆ہائیکو انٹرنیشنل کے ''اقبال حیدر نمبر'' پر بھرپور تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔یقیناً آپ اس تبصرے سے مطمئن ہوں گے۔میں نے جو کچھ لکھا ہے،حقیقت پر مبنی ہے۔واقعی میں اس نمبر سے متاثر ہوا ہوں۔اس شمارے سے اقبال حیدر کی ہائیکو کے بارے میں اور حالات زندگی سے مکمل آگہی ہوتی ہے۔پہلی مرتبہ کسی کی ہائیکو نے متاثر کیا۔

عزیز جبران انصاری

نگراں ادبی صفحہ،روزنامہ کلیم (سکھر)

☆ وضاحت نسیم اور اقبال حیدر نمبر دونوں ہی بڑے خوبصورت تھے، البتہ ''اقبال حیدر نمبر'' میں کچھ دوسری چیزیں بھی شائع کر دیتے تو زیادہ اچھا ہوتا، اس طرح ون مین (One Man) ہو جاتا ہے۔ آئندہ ہو سکے تو اس بات کا خیال رکھئے گا۔

اظہر عباس (شیخوپورہ)

☆ آپ کے ارسال کردہ پیارے پیارے تحفے ملے۔ ان شاءاللہ عید بعد تفصیلی خط لکھوں گا، یہ تحفوں کی رسید ہے۔

ایوب جوہر (ڈھاکا)

ہائیکو انٹرنیشنل کا ''اقبال حیدر نمبر'' موصول ہوا۔ شمیم نوازی کے لئے آپ کا سراپا مشکور ہوں۔ اس قدر خوبصورت، معیاری اور ضخیم نمبر شائع کرنا، وہ بھی کسی ایک صنف پر متواتر کتاب ترتیب دینا انتہائی مشکل کام ہے۔ میں بے جھجک کہہ سکتا ہوں کہ اقبال حیدر نمبر ہندوستان کے بے شمار مختلف اصنافِ سخن پر شائع ہونے والے نمبروں میں ایک خصوصی اور دستاویزی حیثیت کا حامل ہے، جس سے قطعی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ زیرِ نظر شمارے کا ہر مضمون وقیع اور جامع ہے.... اس عظیم اور خوش گوار کارنامے پر آپ کو روح کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

شمیم انجم وارثی، کلکتہ (ہندوستان)

☆ ''صحرا میں جگنو'' جن احباب کو دی، ان میں سے کئی نے ہائیکو پر طبع آزمائی شروع کر دی ہے۔ تقریب کے بعد خاطر خواہ نتائج کی امید ہے اور چند خریدار ہائیکو انٹرنیشنل کے بن جانے کی توقع ہے۔

یعقوب تصور (ابوظبی)

عزیزم سہیل احمد صدیقی زاد اقبالکم

سلام مسنون

آپ کے استفسار کا جواب سپردِ قلم کرنے سے قبل میں آپ ہی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ جاننے کے باوجود کہ جناب تابش دہلوی نے جو ہائیکو آپ کے موقّر مجلے "ہائیکو انٹرنیشنل" کے لیے مرحمت فرمایا ہے وہ ناقص ہے سرورق پر شائع ہی کیوں کیا۔ حقِ "مدیرانہ" سے کام کیوں نہیں لیا۔ اب تو بچے بھی بخوبی جانتے ہیں کہ ہائیکو کے تین مصرعے ۵۔۷۔۵ اسباب (سببِ خفیف، ثقیل جزو) کے حامل ہیں۔ کل ۱۷ سببِ خفیف۔
جاپان کے سفارت خانے میں جب پہلا ہائیکو مشاعرہ ہوا تھا ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی صاحب نے اسی میں شعرا و شاعرات اور سامعین پر واضح کر دیا تھا کہ اسے فعلن فعلن فع، فعلن فعلن فعلن فع، فعلن فعلن فع کے مطابق ہونا چاہیے

جناب تابش کا ہائیکو ___ ادب سفیر
یہ اقبال حیدر کہ ہیں
ہائیکو کے سفیر

ادب (فعولن) یہ اقبا (فعولن) ہائیکو کے ناعلاتن — یہ تو میں کہہ سکتا ہوں

دیکھو تو پڑھ کر
اُدھڑا ہے تابش کا
ہیئت سے بے بحر

ممکن ہے جناب تابش نے یہ کارنامہ بحالتِ غنودگی انجام دیا ہو۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

خاکسار
راغب مرادآبادی
۱۶/ اپریل ۲۰۰۱ء

رئیس علوی کی منتخب ہائیکو کا سرائیکی ترجمہ

امداد نظامی

جمبو جیٹ کا پر
بیٹھی ہے پیلے رنگ کی
اک تتلی اس پر

جمبو جیٹ دا پر
اوں تے ہک پیلا پوپٹ
بیٹھا چھنڈ کے پر

پیرہن کے رنگ
اس کے چہرے پر بکھرے
پھول ہوئے سب دنگ

چولے دے سب رنگ
کھنڈ گئے ہونڈے مکھڑے تے
سارے پھل ہن دنگ

سب رنگ چھلکے تھے
بارش ہو کر ٹھیری تھی
بادل ہلکے تھے

رنگ سب چھلکے ہن
مینہ تاں وس کے رک گیا ہا
بدل ہلکے ہن

بارش، موج، ہوا
ساحل کی دیوار پہ اب
کوئی نہیں بیٹھا

کن من، موج ہوا
کنڈھے دی کندھی تے ہن
کوئی نہیں بیٹھا

بگلے، جھیل، قطار
نرم دھوپ، ہوا کم کم
باغ میں شور ہزار

بگلے، ڈھنڈ، قطار
نمی دھپ تے نرم ہوا
باغ اچ شور ہزار

آئی بادِ بہاری
فرش بچھے پھر یار ملے
چیری، مئے خواری

گھلے باد بہاری
فرش وِچھے ول یار ملے
چیری مے خواری

گاؤں، گلی، چوپال
شام، چراغ، دل روشن روشن
موسم صبحِ وصال

وستی، گلی، اطاق
شام تے ڈیوے، روشن دل
تھی گیا ختم فراق

آنکھوں میں سرخی
ابھی ابھی وہ لڑکی
سوتے سوتے جاگی

اکھیں سرخی ہے
ہک پل پہلے او چھوہر
نندروں اٹھی ہے

چیری کی شاخیں
ہوا سے کریں باتیں
وہ چاندنی راتیں

چیری دیاں شاخاں
ہوا دے نال کرن گالھیں
چندرو کیاں راتاں

یاماتو نے سین
رنگ رنگ کے پھول کھلے ہیں
میرا اسٹیشن

یاماتو تے سین
ست رنگے پھل پئے کھلدے
میڈا اسٹیشن

لوگوں کا اک سیل
گل بینی کا موسم ہے
اُوا سے نو کا باغ

کٹھے لوک ہزار
آئی رت پھل ڈیکھن دی
اوا سے نو گلزار

چڑیوں کو دیکھیں
بلی کے چھوٹے بچے
کیسی حیرت سے

چڑ ئیں کوں ڈیہدے
بلّی دے چھوٹے بچے
حیرت وچ پھاتے

گلشن سے کچھ دور
بھونرا پوچھے پھولوں سے
آپ کا نام حضور؟

گلشن توں کجھ دور
بھورا پھلیں توں پچھے
تواڈا نام حضور؟

اکتوبر کی شام
خزاں کے پیلے پتے
ختم ہوا سب کام

اکتوبر دی شام
مانگھ دے پیلے بن پتے
کم دا تھیا انجام

میپل کے پتے
یوں لال، گلابی چھائے
پھول کہیں، ہائے

میپل دے پتے
لال گلابی بن چھائے
پُھل دی آکھن ہائے

موسم گلاب تھا
پچھلے سال اس محفل میں
وہ میرے ساتھ تھا

رت ہئی پھلیں دی
پچھلے سال ایں محفل وچ
او میڈے گڈ ہئی

شاخ سے پھول گرا
پیڑ کے نیچے چپکے سے
خاک کا ڈھیر ہنسا

شاخ توں پُھل ڈھٹھا
بوٹے تلے دل چپ چپاتے
ڈھوڑ دا ڈھیر ہنسیا

کب گل مہر کھلا
باغ اداس ہے جب سے آہ
گھر کو یار گیا

کڈاں گل مہر کھلیا
مونجھا باغ جڈاں تو آہ
گھر توں یار گیا

ساون برسا ہے
بادل ہنس ہنس کے روئے
انگ انگ ترسا ہے

سانون وُٹھا ہے
بدل کھل کھل تے رُنے
انگ انگ ترسیا ہے

☆☆☆

حمدیہ کتابی سلسلہ جہانِ حمد کا
شمارہ چہارم (خواتین نمبر)
اور معروف حمد گو طاہر سلطانی کا مجموعہ حمد
حمد میری بندگی
شائع ہوگئے ہیں
جہانِ حمد: ۲۶/۳۸۔ بی ون ایریا، لیاقت آباد
کراچی ۷۵۹۰۰۔ پاکستان

طباع سخنور سہیل غازی پوری کی تصانیف
اُجالوں کے دریچے، موسموں کی گرد، شہر علم،
عکسِ جاں، ہائیکو اور باتیں سخنوروں کی
کے بعد لفظوں کو زنجیر کیا اور حمد و نعت
شائع ہو گئی ہیں
ناشر: شعری دائرہ۔ ۱۰۵۵ ابلاک ۹ فیڈرل بی
ایریا، کراچی ۷۵۹۵۰۔ پاکستان

یہ ہائیکو رئیس علوی نے جامعہ تو کیو برائے زبان ہائے خارجی کے سابق طلبہ وطالبات سے ملاقات کی تقریب میں پیش کیں

(مقام: تو کیو کا ایک ریستوران، نومبر ۱۹۹۹ء)

سرائیکی ترجمہ: امداد نظامی

آج کی یہ محفل
یاد رہے گی ساری عمر
جاڑا، گرمی، دل

اج دی اے محفل
رہسی یاد حیاتی بھر
سردی، گرمی، دل

آنکھوں میں آنسو
دس برسوں کے بعد اچانک
تم کو دیکھا تو

اکھیں وچ ہنجوں
ڈاہ ورہیں دے بعد اچانک
ڈِٹھا ہے تیکوں

ایک زمانے بعد
دیکھا آج خزاں میں پھر
آپ رہیں آباد

لمبی مُدت دے بعد
ڈٹھا اج خزاں وچ دل
شالا رہو آباد

پھر ملیں گے ہم
کبھی بہار تو آئے گی
یا گھر چلنے کی

تھیسوں ولِ ہک جا
اوسی چیتر بہار دی رت
دل نہ کرو مونجھا

کو یو ختم ہے اب
آئی گھڑی ملنے کی
یا گھر چلنے کی

ھائیکا

شاعر: رئيس علوي
مترجم: تاج بلوچ

گاؤں، گلی، چوپال
شام، چراغ، دل روشن روشن
موسم صبحِ وصال

ڳوٺ گهٽيون ۽ چوپال
شام ڏيا ٽيون روشنيون
موسم صبحِ وصال

چڑیوں کو دیکھیں
بلی کے چھوٹے بچے
کیسی حیرت سے

جهرڪين کي تاڙين
ٻليءَ سندا ٻونگڙا
ڏاڍي حيرت سان

موسم گلاب تھا
پچھلے سال اس محفل میں
وہ میرے ساتھ تھا

مند گلابي هئي
گذريل سال جي محفل ۾
هوءَ مون سان گڏ هئي

آنکھوں میں سرخی
ابھی ابھی وہ لڑکی
سوتے سوتے جاگی

اکين ۾ لالاڻ
هاڻي هاڻي هوءَ ڇوڪري
ننڊ منجهان اٿي

آنکھوں میں آنسو
دس برسوں کے بعد اچانک
تم کو دیکھا تو

ترِيا لڙڪ اکين ۾
ورهين بعد جو توکي اوچتو
جانب ڏٺو مون

گلشن سے کچھ دور
بھنورا پوچھے پھولوں سے
آپ کا نام حضور؟

باغ بهار کان ڏور
ڀونئرُ پڇي ٿو گلڪنان
تنهنجو نانءُ حضور

هائيڪا

صابر سومرو

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

ہائیکو

ہائیکو : رئیس علوی
ترجمہ (بلوچی) : اکبر شاکر

آنکھوں میں سرخی
ابھی ابھی وہ لڑکی
سوتے سوتے جاگی

٥

آج کی یہ محفل
یاد رہے گی ساری عمر
جاڑا، گرمی، دل

٥

آنکھوں میں آنسو
دس برسوں کے بعد اچانک
تم کو دیکھا تو

٥

ایک زمانے بعد
دیکھا آج خزاں میں پھر
آپ رہیں آباد

٥

پھر ملیں گے ہم
کبھی بہار تو آئے گی
مت سہیے کچھ غم

٥

گلشن سے کچھ دور
بھونرا پوچھے پھولوں سے
آپ کا نام حضور؟

چمانی سُری
واب ءَ اُٹوں پاد آتکگ
ہرنگ، ماہ گونگ

٥

مرچیگیں دیوان
یات بیت مارا تا عمرءَ
سری، گرمی، دل

٥

چمانی ارساں
دہ سال ءَ چہ پدا دیستگ
تئی ماہیں صورت

٥

کرنے ءَ چہ پد
دیستگ مرچی بے چاڑی
آباد بباتے تو

٥

بیت مئے نزیکی
کیت بہار یک روچے دوست
ہچ تو غم مکن

٥

باگ ءَ کمیں دور
جُست کنت بالو پلاناں
بگش تئی نام کئے اِنت

٥

رئیس علوی کی ہائیکو کا میمنی ترجمہ

ادریس غازی

سب رنگ چھلکے تھے
بارش ہو کر ٹھہری تھی
بادل ہلکے تھے

ہر رنگ چھلکیاوا
مینہ وسی نے روکائی ویو ھو
وادراہلکاوا

بگلے، جھیل، قطار
نرم دھوپ، ہوا کم کم
باغ میں شور ہزار

بگلا جھیل قطار
ہلکو تڑکو ہوا اوچھی
باغ میں راڑ وراڑ

اکتوبر کی شام
خزاں کے پیلے پتے
ختم ہوا سب کام

آکٹوبر جی سانجھ
خزاں جا پتا پیڑا
دھند وتھیو چکتو

آنکھوں میں سرخی
ابھی ابھی وہ لڑکی
سوتے سوتے جاگی

اکھیئن میں لالی
ہیور ہنگھرڈی اُو چھوکری
سمھی سمھی نے جاگی

چیری کی شاخیں
ہوا سے کریں باتیں
وہ چاندنی راتیں

چیری جی ڈانڈیوں
ہوا ای کرنی گالھیوں
اُو چاندنی راتیوں

آج کی یہ محفل
یاد رہے گی ساری عمر
جاڑا، گرمی، دل

اج جی ای محفل
رہنی یاد ای عمر بجی
سردی، گرمی، دل

"PAKISTAN EVENING"

Hello, Everybody! We understand that you are fine and keeping well.

Please be advised that we shall hold "PAKISTAN EVENING" to listen in to Urdu poems by Prof. Mohammad Rais Alvi, Poet and Guest Professor of Tokyo University of Foreign Studies, as our event for October. Let us get together to relish the world of poetry which the Pakistani people dearly cherish, and enjoy a nice autumn evening. Mrs.Xie Xiu Li, who studies under the professor, will take care of the translation. Your friends are also welcome. Tea and cakes served.

Time : October 29, 1987(Thursday)18:30-20:00
Place : Asia Center of Japan(ASIA KAIKAN)
Conference Room 2A
8-10-32, Akasaka, Minato-ku, Tokyo
tel. 03-402-6111
Subject : From "Sada ubharti hai"
(Published in Karachi, last August).
Fee : ¥1,000 per head for Member of the Association
(¥1,500 per head for Non-Member)

THE JAPAN-PAKISTAN ASSOCIATION
(tel.03-478-0876)

October 13, 1987

the Kyūshū, Shikoku, and Chūgoku (western Honshu) regions, but in 1936 he went as fas as Sendai in northeastern Japan on a trip reminiscent of the haiku poet BASHŌ's famous journey north in 1689. He died in Matsuyama, Ehime Prefecture.

Urdu triplets in traditional Japanese style

By a staff reporter

SEHARA Mein Jugnu (Firefly in the Desert), an anthology of poems by Abu Dhabi-based Pakistani poet Yaqoob Tassaur, will be released at a literary evening at the Cultural Foundation in the capital on February 27.

The function is a part of the ongoing Japan Months 2001 programme to mark 30 years of friendship between Japan and UAE organised by the embassy of Japan.

The poems, all triplets of Hyko style genre that was in vogue in Japan three centuries ago, the origins attributed to poet Bashu, found favour with Pakistani and Indian poets during the last three decades, according to Yaqoob, who runs his own business enterprise in Abu Dhabi.

"I have tried to catch vivid glimpses of the life and times of the tribes, their trials and tribulations as well as their resolute bid to overcome harsh conditions of social life and habitat, the affluence of contemporary times and other transformation in the scenario, he said.

The revival of Hyko style was prompted in Pakistan by the renowned poet and philosopher Dr Mohammed Amin, who in a foreword to the edition has paid tributes to the stamp of individuality and lilting rhyme in the verses.

"His book will be a valuable addition in the treasures of Hyko poetry," he remarked.

Since the last two decades, Hyko poetry has caught the imagination of readers and Yaqoob's book is the first of its kind to be released in the UAE, said Ashraf Siddiqui, an active member of the Pakistani expatriate community, who has taken the initiative to organise the event.

Well known poets and writers will present reviews of the book on the occasion, he said.

This is Yaqoob's second book, the earlier one being *Peshraft* (First Move), comprising *ghazals* and *nazms*.

Yaqoob Tassaur with his book *Sehara Mein Jugnu* (Firefly In the Desert). — KT photo

Taneda Santōka (1882-1940)

Haiku poet; remembered for his anthology containing 701 free verse haiku, Sōmokutō (1940, Monument of Grass and Trees), which he edited from over 9,000 poems composed between 1925 and 1940, and Gochū nikki, a five-volume diary, published posthumously, which he kept in his hut called the Gochūan. His best haiku are written in simple and lucid language filled with a lyricism reflecteing his love of drink and travel and his appreciation of nature.

Santōka was the son of a landlord in Yamaguchi Prefecture. His mother committed suicide when he was 10 years old. He studied at Waseda University in Tokyo but did not graduate. In 1904 he started a *sake* brewery with his father near his hometown. When the business failed, Santoka moved to Kumamoto with his wife and son and ran a picture-frame store. Later he returned to Tokyo and was employed at several different jobs. In 1925, having divorced his wife, he became a Buddhist monk of the Soto sect, serving as a sexton at a small temple in Kumamoto Prefecture. In 1926 he left the temple and became a mendicant priest.

For the remainder of his life, except for intermittent stays in his hut in Ogōri, Yamaguchi Prefecture, during the 1930s, he was on the road, begging, visiting his friends, composing haiku, and writing travel diaries. His trips frequently covered

Haiku By Taneda Santōka

Translation by Sohail Ahmed Siddiqui

Looking at the mountains;
All day no need
To put on my kasa

پربت تکتا ہوں
یہ دن سارا بیت گیا
چھتری ہے بیکار

Yama O miru Kyō ichinichi wa kasa o kaburazu

Parbutt takta hoon / yeh dinn sara beet gaya / chatrie hay bekaar

These few ashes
are all that remain
of my diary?

راکھ جو باقی ہے
یہ بھی کیسی ہوتی تھی ★
میری ڈائری؟

Yakisutete nikki no hai no kore dake ka'

Raakh jo baqui hay / yeh bhi kaisi hoti thee / meri diary?

Just as I hoped:
Moon light everywhere
A night for insects.

میں نے جوں چاہا
تاروں کی ضو پھیل گئی ★
کیڑے چمکے ہیں

Gekkō amaneku hoshii mama naru mushi no yoru da.

Mein ne joon chaha / Tarounki Zau phail gaee / keere chamke hein.

Presented alongwith five Original Urdu Haiku at the 17th Annual Haiku Recital, Organised by Japan Cultural Centre on 18.2.2000, at Hotel Regeant Plaza (Karachi)

★ اصل جاپانی لفظ ''تاروں کی روشنی'' ہے نہ کہ چاند کی، جیسا انگریز مترجم نے ترجمہ کیا (بحوالہ محترمہ وضاحت نسیم)

HAIKU

Sohail Ahmed Siddiqui
For World Haiku Contest
(London-Oxford) 25-30 Aug'2000

1) Big and shiny mangoes.
I remember, time and again,
Her healthy buxom.

2) Glittering dew drops
rolling down the prettiest face
of bountiful world !

3) A bunch of flowers.
My dreams come true, at last
Kids are kidding.

4) A jasmine *flower.
Simple, sober, pretty, attractive.
Unforgettable, you are !

5) Turkish caps, all around
pink, violet, yellow, red and white
tulips and tulips

6) My flimsy dreams !
She sparkles and disappears
like a lonely star

★Jasmine – The national flower of Pakistan.

Sir Syed University of Engineering and Technology
University Road Karachi-75300, Pakistan
Tel: 498800-2, 4982393-474583. Fax (92-21)-4982393

SSUET/LIB/01/2000/2068 7 November, 2000

Mr. Sohail Ahmed Siddiqui
R-393, City Villas,
Sector 38/A,
K.D.A, Scheme-33
University Road
Karachi-75270

Dear Siddiqui,
We acknowledge with thanks the receipt of one copy of your book "HAIKU INTERNATIONAL" so kindly gifted by you to SSUET Library.

It is a valuable addition to our library. We offer our sincere thanks for the same and hope you will continue to remember the University in future.

Regards

-sd-
Naheed Jafri
(Librarian)

LIBRARY OF CONGRESS OFFICE – PAKISTAN

American Embassy
H. No. 11, St.62, F-6/3
Islamabad, Pakistan

Tele: 2823404
Fax: 92-51-2823419

Refer to:
October 02, 2000

Mr. Sohail Ahmed Siddiqui
Editor "Haiku International "
Canopus, R-393, City Villas, Sect. 38/A
K.D.A, Scheme-33, University Road
Karachi-75270.

Dear Mr. Siddiqui:

It is my pleasure to acknowledge, with many thanks, receipt of the Gift material mentioned below. We greatly appreciate your assistance in sending this material to the Library of Congress.

With Best Wishes

Your Sincerely,

-sd-

Muhammad Zaki Deedar
Bibliographer – LOC
American Consulate General
8-Abdullah Haroon Road
Karachi-75530.
Ph: 5685170-79, Ext: 2840
The material received:
HAIKU INTERNATIONAL, JULY TO SEPT. , 2000, VOL.5. : IQBAL HAIDER NUMBER.

cc: Acq. / Admin.

In the end of my remarks, I would like to congratulate and also extend my best wishes to Mr. Iqbal Haider, other active members of Pakistan Haiku Society and the editorial team of Haiku International on the auspicious occasion and wish them success in their endeavors to promote Haiku in Pakistan.

And to conclude, I agree with Imtiaz Saaghar who says about Iqbal Haider.

Dunia Dekhe Gi	دنیا دیکھے گی
Ik Din Tere Hike Ki	اک دن تیری ہائیکو کی
Khusboo Phele Gi	خوشبو پھیلے گی

(Means: One day the world will see that the fragrance of your Haiku will spread faraway).

Thank you

⋆Iqbal Haider is the founder chairman of Pakistan Haiku Society (Editor)

Editor Haiku International presenting a copy of his Journal (Special issue on Iqbal Haider) to the Consul General of Japan(Karachi) Mr. Kazumi Dekiba-Karachi, 14-2-2001

PAK HAIKU SOCIETY

Not only that he has been participating in Haiku Mushaira or seminars conducted on Haiku, but also has taken part in such numerous activities which have to do with the diffusion of Haiku all over Pakistan. He took part in establishing Pakistan Haiku Society as a founder member, and now for many years he is serving as the President of this literary organization.*

Indeed, Mr. Iqbal Haider is a visionary poet with admirable poetic talent. I have read the translations of his Urdu Haiku in English and I personally feel that he is able to grasp the true essence of Japanese Haiku Poetry in Urdu. As, the depth of intellectual thought, and a tender touch of delicate human feelings, which are the pre-requisite of genuine Haiku are parts of his Haiku poetry.

His Haiku have been translated into Japanese, English, French and many regional languages of Pakistan, which is a gratifying aspect that his beautiful and heart-touching poetry can reach to the people belonging to diverse cultures.

I admire Mr. Sohail Siddiqui, editor Haiku International for bringing out Special Iqbal Haider number. I read the English portion of the magazine, and am glad to observe that how immaculately he has highlighted Mr. Iqbal Haider's significant contribution and devotion to the promotion of Haiku poetry in Pakistan. I am sure, you will agree with me that it is not an easy task to describe a poet of Mr. Iqbal Haider's caliber in a few hundred pages, but Mr. Sohail Siddiqui has tried to justify and has published the issue successfully. He deserves compliments for his efforts.

literary status in Urdu poetic literature. It indeed came as a pleasant surprise for me that many renowned Pakistani poets have been creating their Haiku and have books (collection of their Haiku Poetry) to their merit.

Popularity of Haiku and the love for Haiku in Pakistan has become a symbol of cultural friendship at heart to heart level between the people of Japan and Pakistan. Factually, for this aspect of our strong cultural relations and the promotion of Haiku in Urdu as well as other regional languages in Pakistan, the credit goes to the very talented and famous poets of the country, and of course, Iqbal Haider is very prominent among them.

I am delighted that today, I am part of this ceremony which is actually arranged to pay tributes to Mr. Iqbal Haider in the form of a "Iqbal Haider Number" of a reputed Haiku Journal, known as Haiku International. Certainly, Mr. Iqbal Haider deserves this recognition.
Mr. Iqbal Haider's contribution for the promotion of Haiku in Pakistan is extraordinary. You can analyze it by the fact that we have organized 17 Haiku Mushaira in Karachi and four in Quetta up till now, and Mr. Iqbal Haider is the only poet who has participated actively in all these Mushaira without any gap. And, the 18th Annual Haiku Mushaira, which will be held on the 17th of this month, he will be with us there too.

Especially, referring to his participation in Haiku Mushaira held in Quetta, I am impressed to note that how deeply he got involved in organizing the events there and extended maximum cooperation to the Japan Cultural Centre to hold the event successfully, where he was able to bring the poets to a platform, who recited Haiku in eleven different regional languages, which was an excellent achievement' no doubt.

Text of Speech

Speech by Mr. Kazumi Dekiba, Consul General of Japan, Karachi, as the Chief Guest at the occasion of "Launching Ceremony of Haiku International's Special Issue on eminent poet Iqbal Haider on February 14,2001, at 4:30 p.m. at the Hotel Pearl Continental, Karachi.

Dr. Jameeludin Aali (eminent scholar-Hilal-e-Imtiaz)
Ms. Fatima Surraya Bajia
Mr. Iqbal Haider,
Mr. Hanif Kalia (Chairman Ko-Ordination Group)
Mr. Sohail Ahmed Siddiqui (Editor, Haiku International),
Other eminent speakers,

Ladies and Gentlemen,

Assalam-o-Alaikum/ Good Afternoon

First of all, I would like to express my heartfelt thanks to Mr. Rashid Noor, Secretary, Pakistan Haiku Society, Mr. Sohail Siddiqui, Editor, Haiku International and the members of Ko-ordination group for giving me this opportunity to be with you on this special occasion of "Launching Ceremony of Iqbal Haider Number of Haiku International.

Ladies and Gentlemen,

I must admit that about two years back, when I came to Pakistan as the Consul General of Japan, I did not have even a slightest perception that Haiku, the traditional Japanese poetry would be so much popular here in Pakistan, even to the extent that it has acquired a certain

this form of Japanese poetry is becoming increasingly popular in Pakistan. This feeling was considerably enhanced at the Haiku Mushaira in Quetta where, besides Urdu and English, I heard Haiku in regional languages like Punjabi, Sindhi, Pashto, Balochi, Brahvai, Seraiki and Hindko. And I have been informed that Mr. Iqbal Haider has played a pivotal role in disseminating this form of Japanese poetry among the many linguistic (lingual) groups in Pakistan. I wish I could understand some of these languages to fully enjoy the haiku recitation.

Literature is a mirror that accurately reflects the society that produced it. Journals such as Haiku International, serve to present vivid and colorful pictures of Pakistan which remain hidden to the public eye and which we should know about. Indeed, journals like Haiku International can serve to project the real image of Pakistan as a country of cultural diversity. Haiku International is thus playing an important part by bringing the people of Japan and Pakistan closer together through the medium of poetry, a most effective form of cultural exchange.

We are going to celebrate the 50th Anniversary of establishment of diplomatic relations between Pakistan and Japan next year. We have ahead of us the exciting prospect of planning and preparing for a whole series of cultural events both in Pakistan and Japan. We look forward to working hand in hand with Pakistan to make 2002 a landmark year in our warm and friendly relations.

At the end, permit me to give you my own choice of a Haiku by Japanese poet Kyoshi TAKAHAMA, representing the sense of season and brevity.

He says a word (Os Nay Kuch Kaha)
I say a word (main nay kuch kaha)
The autumn deepens (Khizaan chaa gaie)

اس نے کچھ کہا
میں نے کچھ کہا
خزاں چھا گئی

Sadaaki Numata

Sadaaki Numata
Ambassador of Japan

EMBASSY OF JAPAN
PAKISTAN

3 April 2001

Mr. Sohail Ahmed Siddiqui
Editor, Haiku International
R-393, City Villas Scheme 33
University Road
Karachi 75270

Dear Mr. Siddiqui,

I was greatly pleased and honoured to personally receive from you and Mr. Iqbal Haider the "Iqbal Haider Number" of Haiku International in Quetta on the occasion of Japan Cultural Week organized by the Pakistan-Japan Friendship Society, Balochistan. Congratulations on bringing out such a comprehensive and informative Haiku publication.

While glancing through the journal, a section of which is, gratefully for me, in English, I was highly impressed with the contribution of Mr. Iqbal Haider for the furtherance of haiku poetry in Pakistan. I am afraid that I myself have a rather prosaic mind, having spent too much of my life writing dispatches, minutes and joint communiqués, and I feel a little inadequate in discussing poetry. But, even as a layman, I can say that Japan is the Land of Poets. Each major Japanese newspaper has daily Haiku (5-7-5 syllable poetry) columns, which select the best poem for the day from among the contributions by the readers. Pakistan has also been blessed with a vast treasure of poets, with great names like Iqbal, Ghalib and Faiz. More importantly, perhaps, this tradition is carried on by a great many contemporary Pakistani poets, most of whose contributions are appearing in this special issue of your distinguished journal.

When I attended my first Haiku Mushaira in Islamabad in January this year, I was pleasantly surprised to know that

Now I feel that Tanka poems are also attracting attention of Pakistani poets as these poems are closer to Urdu Ghazal in nature.

I have not yet talked about Japanese prose literature. From Murasaki Shikibu's **Genji monogaturi** to Snow Country (1937) of Kawabata Yasunari and in the post-war period great writers with finest fiction writings emereged on the literary scene; Mori ogai, Tanizaki, Soseki, Akutaga Wa, Dazai Osmu, Mishima Yukio are few names from the line of torch-bearers on the path of story-telling.

As a whole, Japanese literature is one of the greatest literatures in the world. It has spiritual, secular, sexual, social, seasonal flavours, with keen observation of individual and collective life, philosophy, nature and deep sense of human relationship.

I advise you to persue beauty in a beautiful way.

Thank you.

★(Delivered at the final day of a week's Social Studies Teachers Workshop, held at Avari Hotel, Karachi by the Japanese Consulate-1989)

اک بڑی لہر مجھے کھینچ کے لائی ایسے
گہرے پانی میں
بچالے کوئی کشتی بھی نہیں
اور بہائے لئے جاتا ہے سمندر مجھ کو

See one more Waka from Saigyo:

سحر کی ساعتیں آ گئیں
ہوا کا شور ٹھہرا، اور صبا چلتی ہے بے آواز پا
پتوں کے گرنے کی صدا کم کم
ملاقات شب ہنگامہ گن کے بعد
ہم دونوں کے دل جیسے

Haiku is a popular from of Japanese poetry with three lines and 5-7-5 syllables. This was a great gift of the 17th century to Japanese literature. These short poems of 17 syllables symbolize the gentle compromise between the business of industrial era and the beauty of nature.

In recent past, with devoted efforts of Consulate General of Japan, (Karachi) Haiku became the most popular form of poetry from any foreign country in Pakistan. Translations from Japanese and original Haiku are being written by Pakistani poets. Specially in Urdu, Mushairas are held and a numbers of collections of Haiku poems are already printed.

Waka or Tanka has been the most popular form of poetry for the expressions of emotions for the Japanese people throughout the history. Haiku emerged from Waka in 17th century and became very popular but even then it could not replace the Tanka. The other most important collection of Japanese poetry compiled hundred years after Manyoshu was Kokinshu (905). It contains 1111 poems, about one third of which written by unknown poets. It was the first anthology of Waka forms, compiled by the orders of the Emperor. Kyoto was capital and the center of cultural scene in Heian period.

In Kamakura period Shogunate started patronage of culture and literature. No Opera became popular and 21 anthologies of poetry were compiled upto 1440.

In the 12th century Saigyo was a great Waka poet. From this class, his collection of poems Sankashu is comprised of 1552 poems. He was a samural origin saint.

Now I read few poems from the Urdu translation of Sankashu "CHAND KAY CHAR RANG"

آئینۂ شفاف پر
دل میں جو پیدا ہو کبھی

ذرے کو تو دیکھیں مگر
چھوٹی سی بھی کوئی ہوس

اس سے ندر ہے بے خبر

and the latest poem of this anthology was composed in 759 A.D.

A variety of social classes and characters are represented in Manyoshu. Poor frontier guards and their wives are present side by side with the powerful Emperors and Empresses of their times. Here princess and peasants and masters and their maids are singing their songs in love, in memory, in joy and in sorrow in faith and in fidelity. I think Manyoshu is the greatest collection of natural poetry with the finest combination of inner nature and the Nature outside.

I read from 'Gule Sad Barg' Urdu translation of Manyoshu:

Though the vast waters stand still
At the Shiga in Sasanami
Could they ever meet again
The people of the former days.

ساسانامی میں شیگا کی جھیل
پانی ساکن ٹھہرا ہوا ہے
گزرے لوگوں کی یادوں میں
لیکن کون پلٹ کر آیا
ملکِ عدم سے، باغِ ارم سے

While waiting for you
My heart is filled with longing
The autumn wind blows
As if it were you
Swaying the bamboo blinds of my door.

تڑپ ملنے کی دل میں
در پہ نظریں
چونک اٹھتی ہوں
کہ جیسے تم ہو
یوں بادِ خزاں چلمن ہلاتی ہے

"TennoHeka wa ikigami sama desu."

(His Majesty is the living God). This was a phrase that every Japanese could learn in the school before the Second World War. This is the point from where they picked up modern sciences and sophisticated technology. Because of this friendship with Nature and physical approach the metaphysical aspects remained less important and as religion had not been the vital power for politics and society the literature remained at the bottom of the Japanese heart. The expressions and the feelings of the Japanese people have been projected in the various forms of literature.

The Manyoshu, the first collection of Japanese poetry (350-710 A.D.) recorded the thoughts, trends and tradition of those times. It represents and reveals the cultural sprit of Japan in its 4516 poems of about 450 poets. This unique superb poetry of these 20 books of Manyoshu is mostly presented or written in Tanka form. Tanka is a verse of five lines of 5-7-5-7-7 syllables.

It is also called Waka which means Japanese indigenous form of poetry. The oldest poem of Manyoshu was written during the era of Emperor Nintoku (313 A.D. to 399 A.D.)

in unity of Japan. They also wanted the happiness and pleasure of life. But as Shintoist, they were never disappointed to the extent of feeling powerless. They felt pain and sadness of the times but as Buddhist these feelings gave them strength to work hard for the development and progress of their motherland.

Shizen Tono Chowa, harmony with nature, is also a very vital element in the process of cultivation of Japanese culture. The four seasons are the four stages of life, the Blue Spring of youth and the Black Winter of old age are the perfect example of Japanese oneness with nature. Japanese culture is manifold, delicate, different, deep rooted and decorative. It has emerged from tradition of Shintoism, Emperor system, Buddhist teaching, Nature with a combination of modern science and technology. Festivals, opera Kabuki, Kimono, Judo and Japanese language are some of the most beautiful and attractive manifestation of Japanese culture. Japanese know how to live with Nature. They can bear the sound of wind in a closed room. They know the art of converting, checking or feeling everything physically even the most abstract: Sprit itself has been a physical phenomenon for them.

Buddhism was taken as negation of worldly desires. Buddhism reached Japan in the sixth century. In seventh and eighth centuries Buddhist Art reached its peak in Nara period (710-794). Then came the Heian period (794-1185) and of the Imperial sent was set in Kyoto, the classical city of the East. Culture symbolized Kyoto. Edo period (1603-1668) was the era of consolidation and unification in Meiji period (1868-1912). The Government was resorted to the Emperor and Shogunate was reached its end and Shintoism was declared as official religion of Japan.

In 1859, Japan opened it doors to foreign trade and in 1869 Land reforms took place. In 1871 Feudal Governments were abolished and prefectural administration was set up.

In Japan the modern era began just before the start of Meiji restoration. Emperor was the center of worldly ideal, work, wisdom and worship. He has been the central point of cultural unity.

Japan has risen from the ashes of the atomic devastation to the heights of a super developed Nation in the last forty years after the Second World War. But how this happened? Japanese were defeated in the War but they never lost faith

A LECTURE ABOUT JAPANESE CULTURE

(ESPECIALLY ON LITERATURE)

By Prof. Muhammad Rais Alvi

Japan is a country with a long recorded history of a Nation in search of the reality of pleasure, pain, progress, prosperity and peace. Shintoism is an indigenous religion of Japan. This religion does not have any moral code or any name as its founder. Ancestors, national heroes and Nature are the objects of worship. The concept that the ancestors of Imperial Family descended from the heavens was also an important belief of Shintoism; because of this, Shintoism has worked as the main string to integrate and unify Japan. Emperor system has been the corner stone of the fundamental structure of the Japanese society. Buddhism and Confucianism from China were adopted by the Japanese people in Kamakura and Edo periods but amended and adjusted to a different condition.

In Heian period worldly benefit of Buddhism were given importance while in Kamakura period (1185-1333)

(person) is usually good company. It's very difficult to state whether a poet is extrovert or introvert – but, a successful poet may be in between. So, Rais Alvi is such an example, for all.

i) Uss ke chehre perr
aik nidamat ka pertau tha
barish sehra mein

Having on his face,
The reflection of regret
Down pour in desert!

ii) Koozah-gir ke haath
soorat badle "mushte-khak"*
girdesh mein hay chaak.

The hands of potter
A "handful of clay" changes shapes
The potter's wheel moves round

*Mushte-khak means human being in Urdu.

iii) Baarish ka mausim
doore hay ik mud'dat se woh
aankhein ukser num!

The rainy season.
She is far from me, for so long
My eyes often get wet !

The in-depth study of Nature, with the exuberance of emotions gives the Haiku of Rais Alvi a unique stature. His poetic journey continues with great pomp and ceremony. The Haiku-lovers may learn a lot from him.

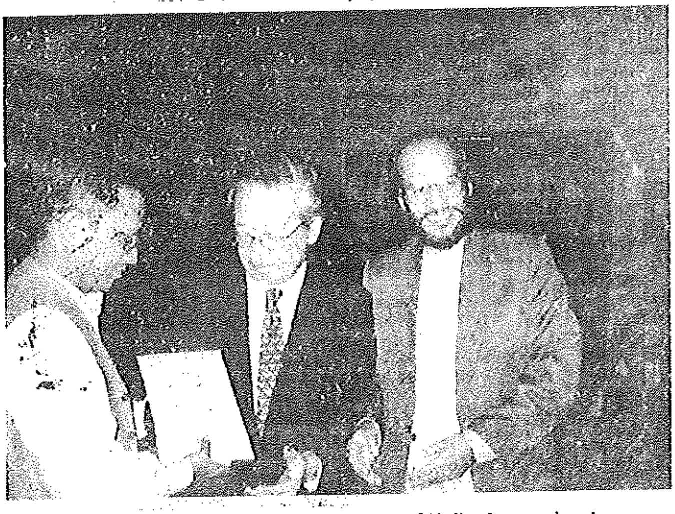

Sohail Ahmed Siddiqui presenting a copy of Haiku International (Special issue on Iqbal Haider) to Mr. Sadaaki Numata, Ambassador of Japan (Quetta- 20-3-2001)

pains-taking assignment of Sai Gayo's translation (CHAAND-KE-CHAAR-RUNG) was also a superb piece of work.

Being a scholar, Alvi is very different from most of his contemporary pen-men, as he never shows off, nor he lets any one down for any reason. His character is a role-model for all his acquaintances. Not a single person would say a single word against his personal characteristics. He has an exemplary behaviour and a well-balanced personality. A poet of high calibre, a teacher of high esteem, a loving husband and a 'model' father.

"The plough goes not well, if the ploughman holds it not." Mr. Alvi comprehends it very well, he has truly ploughed for the Japanese poesy, in the field of Urdu very carefully. His Haiku shows the tenderness of a poet's heart, who involves deep down in the ocean of "Nature". A Japanese-knowing Urdu poetess, Wazahat Naseem rightly said : "Pretty moments are a gift of Nature, and Haiku is the gift of pretty moments". Prof. Ali proved it with his well-knit Haiku, based on 5-7-5 syllables with the compulsion of KIGO.

i) Shaakh se phool gira peirr ke neeche chupke se, khak ka dherr hunsa.	Breaks from twig - a flower, Laughs calmly the heap of mud, beneath the tree
ii) Gulshan se kutch doore bhaunwra pooche phoolon se, aap ka naam huzoore?	Away from the garden, The moth asks the flowers Your name, mesieures?
iii) Schore faughaan ka hay pat'te peirr se girte hein haath khizaan ka hay.	Clamour of distress Falling leaves from the tree Autumn's behind it !

We find the combination of experience and observation in his Haiku. The artisan has portrayed all the interior and exterior, extraordinarily. People believe that an extrovert

i) Use of KIGO is a must in Japanese, but most of the Urdu Haikuists think it un-necessary (But not in the recitals, arranged by the Japan Cultural Center, Karachi).

ii) Rhyming is not allowed in Japanese, while Urdu poets are in the habbit of rhyming, as an influence of Ghazal, the most popular native genre, having compulsory rhyme in each couplet.

iii) Unlike Japanese Haiku, Urdu version does have a variety of topics.

Mr. Rais has written all types of Haiku, i.e. pure Japanese-like, semi-japanese and the "Ghazal-like" which is very common among Pakistani poets. He, however, likes to compose the pure Japanese-like Haiku very often, following all rules strictly. That makes amazement for those who don't know about the "Mother-Haiku".

As I said earlier, the learned poet has earned fame in Ghazal & Nazm, long before experiencing the imported genre. His poetry is so rich, that we can present it as a master-piece of Urdu poetry to any foreigner. His Ghazal is marvelous, appealing and impressive. If you want to read Ghazal with a blend of classical style and modern artistry, just go through his Ghazal. His anthology of Ghazal & Nazm, "SADDA UBHARTEE HAY" was the first-ever collection of Urdu poetry whose inaugural ceremony was held in Tokyo, after a successful launching in Karachi.

Having spent four years in Japan as a visiting professor of Urdu, Mr. Rais Ali rendered Urdu poetic translations of Manyoshu in three volumes. This voluminous project GUL-E-SADD-BERG appeared from Tokyo, with the special grant of Daido Life Foundation. This great, impressive task of introducing Tanka into Urdu paved the way for all the Pakistani and Indian poets. His other

RAIS ALVI – THE NOBLEST OF PAK HAIKUISTS

By : Sohail Ahmed Siddiqui

"Tailors and writers must mind the fashion" – so is true about most of our pen-men. But here we have few exceptions. People always look for variety, even in case of literature. So we see some great minds who not only do the traditional poetry, but also twist the readers view, wherever they want. Professor Muhammad Rais Ali is on top of those Pakistani pen-men who painstakingly create great literature.

Traditional Urdu poetry includes GHAZAL (lyrical poem, having couplets with variety of topics) NAZM (poem) and a number of forms, not so commonly practiced, nowadays. The introduction of several western forms has been a debatable topic – most of them have not yet been established in Urdu. Frankly speaking, the Japanese forms of poetry have a faster effect on Urdu. Haiku has almost conquered the hearts & minds of our poets. This is really unbelievable that even the "anti-Haiku" poets attempt to try them out in this unique form of verse.

Professor Muhammed Rais Alvi is the leading Urdu Haikuist who after making a name in Ghazal & Nazm, has excelled in the most interesting form of verse, Haiku. He is superior to all Pakistani Haikuists, since he knows Japanese, very well – only four other poets know this difficult language. They are Dr. Muhammad Amin, Wazahat Naseem, his husband Salim Ahmed and Aftab Muztar. Glancing through his Urdu Haiku, it reflects that someone from Japan practices this genre, with all requirements.

Summarizing the differences of Urdu & Japanese Haiku, we may describe them as under:

FROM THE DESK OF EDITOR

Clouds over valley
Trees on the river bank soon
Will bring out their leaves

(Niels Peter Svendsen)

Hard work does earn laurels. That's what I have often experienced. By the grace of Almighty Allah, I could achieve the target of presenting the most presentable special issue of Haiku International – Iqbal Haider Number. It received great appreciation, from all quarters, even from the "anti-Haiku" elements. I have to get it published twice (first in September 2000, then in March 2001) and a good number of copies were sold out in the two inaugural ceremonies, held at Karachi and Quetta – A unique record for a literary journal of Urdu World.

This editor was invited to attend the world Haiku Festival, held last year in UK, by the world Haiku Club. I was to represent Urdu & Pakistan, for the first time in history. Having made all arrangements, (including payment of participation fee) I could not even enter the premises of British Deputy High Commission, though tried thrice. This shows how efficient tried thrice. This shows how efficient is the locally based staff!

This issue has a special corner about Prof. Muhammad Rais Alvi, the notable scholar, writer of Japanese forms of poetry (Haiku & Tanka) and a renowned Urdu poet. For reasons, I could not get more stuff in English. May be next time!

I am eagerly awaiting for your valued opinion, analytical reviews, and healthy criticism.

Yours

Sohail Ahmed Siddiqui.

Contents

		P.No
1.	From the desk of Editor	4
2.	Rais Alvi – The Noblest of Pak Haikuists By Sohail Ahmed Siddiqui	5
3.	A Lecture about Japanese Culture By Prof. Rais Alvi	9
4.	A letter from the Japanese Ambassador	17
5.	The Speech of Consul General of Japan in Karachi	19
6.	Letters to the Editor	23
7.	Haiku by Sohail Ahmed Siddiqui	25
8.	Haiku By Taneda Santoka Translation by Sohail Ahmed Siddiqui	26
9.	A brief introduction of Santoka	27
10.	A copy of invitation letter for	28
	"Pakistan Evening"	29

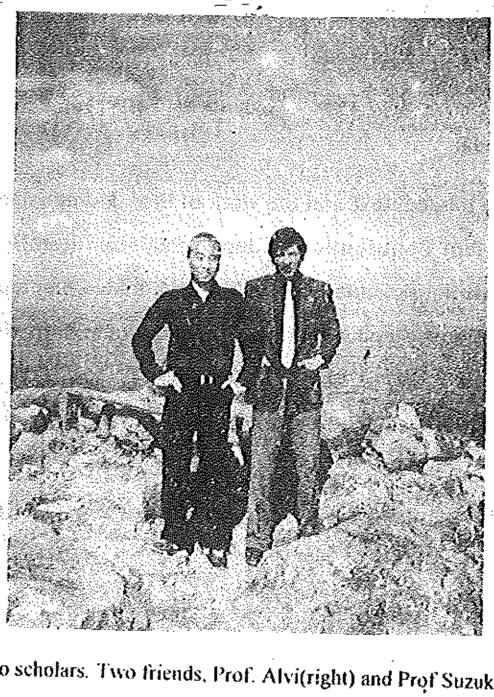

Two scholars. Two friends, Prof. Alvi(right) and Prof Suzuki Takeshi of Japan (left)

Our Correrspondents

India: Mr Haider Jafri Syed
C/o Sadaf
88/153, Chamanganj, Kanpur
208001-India.
Shamim Anjum Warsi
West Bengal (India)

Japan: Prof. Hiroshi Hagita
Kojima-Cho
2-52-1-616
Chofu-Shi, Tokyo 182-0026 Japan

U.S.A: Ms. Farah Rais Alvi
and Adnan Mirza,
2606, Hedge Apple Drive
Arlington- Texas 76001.U.S.A

Canada: Mr. Javed Danish
1574 Major Oaks Road
Pickering Ont. - L1x2J7.
Canada.

☆ ---, It is in this context that the work of Prof. Muhammad Rais Alvi is an important Contribution to Japan-Pakistan literary relations. Prof. Alvi's work, particularly in Haiku and Tanka are singular in that they are composed and translated from Japanese into Urdu poetry form.

He has joint work with Prof. Suzuki Takeshi, the greatest Urdu-lover in Japan.

Prof. Anita Ghulam Ali-- Scholar & Minister for Education (Sindh)